اکستان
بابو راجندر پرشاد
سابق صدر انڈین نیشنل کانگریس
پبلشرز
ابستان اُردو اندرون لوہاری گیٹ لا

پاکستان

از

بابو راجندر پرشاد صاحب

سابق صدر انڈین نیشنل کانگریس

مترجمہ

سیّد احسان علی شاہ بی۔ اے (آنرز)

پبلشرز

کتابستانِ اُردو اندرون لوہاری دروازہ لاہور

بار اوّل

سورج پرکاش پرنٹرز پبلشرز نے مرکنٹائل پریس لاہور سے چھپوا کر
لوہاری دروازہ لاہور سے شائع کیا

فہرست

مسلم اکابرین کچھ عرصے سے مسلمانوں کے اُن حقوق کے تحفظ کے لئے چند تجاویز پیش کر رہے ہیں جو اِن کے خیال کے مطابق مسلمانوں کے لئے مخصوص ہیں۔ اِن اولیں تجاویز میں سے ایک مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کے قیام کی تجویز تھی جس پر گزشتہ تیس سالوں سے تجربے کئے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کے ساتھ مجلس قانون ساز کی حق نمائندگی میں ویٹیج کا اضافہ کر دیا گیا ۱۹۱۶ء کے کانگرس پیکیٹ کی رو سے کانگرس نے بھی اِسے منظور کر لیا۔ یہ پیکیٹ دو جماعتوں کا باہمی سمجھوتا تھا جو اس وقت عمل میں آیا جس وقت موجودہ صوبجات کی یکساں تشکیل ابھی نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی ان کی کوئی آواز تھی اور آجکل کے بعض صوبے نہ حکومت برطانیہ کی اسکیم میں صورت پذیر ہوئے تھے اور نہ ہی انہیں کانگرس نے لسانی قسمتوں پر استوار کیا تھا بعض صوبوں میں مسلمانوں کو آبادی کے تناسب سے کہیں زیادہ اضافت (WEIGHTAGE) دی گئی اور دو اہم صوبوں پنجاب اور بنگال میں ان کے نمائندے آبادی کے تناسب سے کچھ کم کر دیئے گئے

اضافت (WEIGHTAGE) ہر جگہ اکثریت پر ہی اثر انداز ہوتی تھی۔

اُس وقت تک مسلم لیگ نے جو مطالبہ بھی کیا محض مسلمانوں کے لئے تھا اور دوسری اقلیتوں کو پس پشت ڈال دیا گیا تھا۔ جوں جوں پنجاب اور بنگال کے مسلمان اپنی حالت سے باخبر ہوتے گئے میثاقِ لکھنؤ کی مخالفت بڑھتی گئی تا ایں کہ جہاں تک اُن دو صوبوں کا تعلق تھا اِس سمجھوتے کو توڑنے کے مطالبے ہونے لگے۔ اُن صوبجات میں (پنجاب اور بنگال) اضافت کا یہ نظریہ کہ اقلیت اکثریت کے نقصان سے فایدہ اٹھائے کبھی معرضِ بحث میں نہیں آیا۔ اس کے برعکس جب یہ میثاق فسخ ہوگیا اور اس کی جگہ میکڈانلڈ کمیونل ڈیسیزن نے لے لی تو جداگانہ انتخاب اور اضافت کے تمام حقوق اُن صوبوں میں جہاں مسلمانوں کی اقلیت تھی میثاق کے مطابق برقرار رکھے گئے لیکن پنجاب میں مسلمانوں کو آئینی اکثریت دی گئی۔ بنگال کی مجلسِ قانون ساز میں مسلمانوں کے . . . . نمائندوں کی تعداد آبادی کے تناسب سے کچھ کم ہے لیکن ہندوؤں کو دوسری اقلیتوں اور حقوق کی اضافت پوری کرنے کے لئے نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ اس طرح ہندو اقلیت اضافت حاصل کرنے اور اس سے فایدہ اُٹھانے کی بجائے نمائندوں

کی اس پوری تعداد سے محروم کر دی گئی جو آبادی کے تناسب کے اعتبار سے اُسے ملنا چاہیئے تھی اور وہ اضافت جس کا خمیازہ اصولاً مسلمانوں کو اٹھانا چاہیئے تھا ان کے گلے پڑی اور انہیں پہلے سے بھی کم تعداد اقلیت بنا گئی۔ اس لئے یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ ان صوبوں میں اس فیصلے کی مخالفت بڑے شد و مد سے کی جارہی ہے۔ بہر حال اس وقت میں کمیونل ڈیسیژن پر خیال آرائی نہیں کرنا چاہتا۔ میں حالات کی نامطابقت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں اور یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جو چیز معقول دفاعی حربہ اور مضبوط سپر سمجھی جاتی رہی ہے کس طرح مسترد کر دی گئی اور اب اس کی جگہ ایک ایسی چیز پیش کی جارہی ہے جو اس کے بعد اس سے بہتر تصور کی جاتی ہے۔

بہت سے تجربہ کار اور دوربین مسلم اکابر نے جداگانہ انتخاب و راضافت کی مخالفت کی اور بتایا کہ یہ حفاظت کا ذریعہ نہیں ( ) ہیں بلکہ مسلمانوں کی صحیح حفاظت کرنے کی بجائے . . . شکر رنجی پیدا کرنے کا موجب بن جائیگی۔ یہ ظاہر کر دیا گیا تھا کہ جداگانہ انتخاب کا خیال امیدواروں کو اپنی ہی قوم میں محدود رہنے کے مواقع بہم پہنچائے گا۔ ان کے خیالات میں دوسری قوموں کی گنجائش نہ ہوگی اور اس طرح اپنے ہم قوم مدِمقابل سے بازی لے جانے کے لئے وہ اپنے قومی مطالبات میں زیادہ بلند آہنگ ہوگا۔ اس اسی پیرس میں . . . . . غیر مسلم امیدوار مسلم امیدواروں کی

تعلیم میں نام نہاد غیر مسلم قوموں کے حقوق کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کی مخالفت میں اپنے ہم قوم امیدواروں سے سبقت لے جانے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح حقیقی معنوں میں رسہ کشی شروع ہو جائے گی۔ اور پھر مسلمانوں کے لئے اضافت کے باوجود دوسری قوموں یا صرف قومیت کی بنیادوں پر متشکل شدہ ہندو قوم ہی سے بازی لے جانا اگر ناممکن نہیں تو محال ضرور ہو جائے گا۔ اُن اکابرین نے مسلمانوں کو واضح طور پر بتا دیا تھا کہ مسلمانوں کو اپنے فائدے کے لئے اس عارضی تدبیر پر زیادہ اصرار نہیں کرنا چاہیئے اور اُن حقوق کی حفاظت کا کوئی اور راستہ پیدا کرنا چاہیئے جو دوسرے ہندوستانیوں سے نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہیں۔

لیکن ہندؤں کی مخالفت اور دوربین اکابرین کے انتباع کے باوجود جداگانہ انتخاب اور اضافت پر زور دیا گیا اور آخر کانگرس اور حکومت برطانیہ نے اسے منظور کر لیا۔ مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب اور حق نمائندگی میں اضافت کے نظریئے نے ایسی تقدیس اختیار کر لی جو چھوی نہیں جا سکتی تھی اور جس کو چھونے کا مجاز کسی کو نہیں تھا۔ اب جبکہ مسلمان کئی سال سے اس سے استفادہ کر رہے ہیں یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں پر جبر و تشدد روا رکھا گیا۔ ان پر مظالم توڑے گئے یا با الفاظ دیگر یہ ذریعہ تحفظ انکی حفاظت میں ناکام رہا ہے۔ میں ایک منٹ کے لئے بھی یہ باور نہیں کر سکتا کہ یہ

تمام بے جا جبر و ظلم فی الحقیقت مسلمانوں پر روا رکھے گئے ہیں یا گورنروں نے ان کے حقوق کی نگہداشت میں کسی قسم کی کوتاہی برتی ہے۔ لیکن اگر مسلم لیگ کے اصرار کو تسلیم کرتے ہوئے یہ مان بھی لیا جائے کہ واقعی مسلمانوں پر ظلم ہوئے تب بھی نتیجہ یہی نکلے گا کہ مسلمان مندوبین کے اُس گروہ کا خیال بالکل درست تھا جو خود مسلمانوں کے مفاد کے لئے جداگانہ انتخاب اور اضافت کی مخالفت کرتا تھا۔ خواہ مسلمانوں پر بے جا دباؤ ڈالا گیا ہے یا نہیں ایک بات اظہر من الشمس ہے اب اِن دفاعی آلات کو اپنی حفاظت کا تسلی بخش ذریعہ نہیں سمجھا جاتا اور وہ چیز جس پر گذشتہ ایام میں سہارا لیا گیا تھا پیشین گوئی کے مطابق کمزور اور بودی لاٹھی ثابت ہوئی ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ غیر مشروط انتخاب کی وجہ سے جتنے فرقہ دارانہ تنازعات پیدا ہوئے ہیں اور کسی تجویز سے نہیں ہوئے یہ تنازعات اُن قوموں پر ہی اثر انداز نہیں ہوئے جنہوں نے اِن تجاویز سے فائدہ اٹھایا ہے بلکہ وہ قومیں بھی اس کی لپیٹ میں آگئی ہیں جو اس تجویز کا شکار ہوئی تھیں اور یہ خرابیاں صرف مسلمانوں کی مخالفت میں پیدا نہیں ہوئیں بلکہ دوسری چھوٹی چھوٹی قوموں اور فرقوں کے باہمی جھگڑوں کی صورت میں رونما ہو رہی ہیں۔ ہمارے ماضی قریب سے ہی سب سے بڑی چیز ہمیں ترکے میں ملی ہے۔

مسلم لیگ موجودہ نظام کار سے سخت برہم ہے لیکن . . . .
اُس کی طرف سے ابھی تک کوئی ایسی تجویز پیش نہیں کی گئی جو اس کی
رائے میں مسلم حقوق کے تحفظ کے لئے ضروری قرار دی گئی ہو اور جو
جداگانہ انتخاب اور اضافت کا نعم البدل ہو یا اس پر ترمیم و اضافہ کرے
بہت سی تجاویز کی افواہیں سننے میں آتی ہیں۔ لیکن اُن میں سے کوئی بھی
خود مسلم لیگ کی طرف سے پیش نہیں کی گئی۔ ہندوستان کو تقسیم کرنے
کی بہت سی تجاویز ہیں جن کے ذریعہ سے قیاس کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں
کا تحفظ ممکن ہو جائے گا۔ اِن تمام تجاویز میں کوئی نہ کوئی خامی ضرور پائی
جاتی ہے۔

مسلم آبادی ہندوستان کے دو حصّوں میں خاص طور پر مرکوز ہے
اور باقی حصّوں میں کم تعداد میں بکھری پڑی ہے۔ شمال مغربی خطے میں
مسلمانوں کی اکثریت ہے اور اِسی طرح مشرقی بنگال میں مسلمانوں
کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن ان علاقوں میں بھی غیر مسلم آبادی کو
نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اِن علاقوں کو علیحدہ کرنے اور انہیں خالص اسلامی
علاقہ تصوّر کرنے سے اقلیتوں کا پیچیدہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ
حل ہندوستان کے دوسرے حصوں کے مسلمانوں کے لئے تحفظ کا
کوئی سامان بہم نہیں پہنچاتا۔ شمال مغربی علاقے میں سکھ اور مشرقی بنگال

ہیں ہندو اور دوسری چھوٹی چھوٹی قومیں ان اسلامی علاقوں میں اقلیت قرار دی جائیں گی اور اقلیت کے تحفظ کا سوال ویسے کا ویسا ہی رہے گا۔ البتہ ان اقلیتوں پر لفظ "مسلم" کا اطلاق نہیں ہوگا لیکن اگر یہ نظریہ مان لیا جائے کہ اکثریت ضرور بالضرور اقلیت کو نقصان پہنچاتی ہے یا کم از کم اقلیت کو اکثریت سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہے تو اقلیتیں محض مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے حقوق تحفظ سے محروم نہیں کی جاسکتیں

اس کا علاج آبادی کا تبادلہ بتایا جاتا ہے تاکہ اسلامی علاقوں میں زیادہ سے زیادہ مسلمان آجائیں اور غیر اسلامی علاقے ان سے زیادہ سے زیادہ پاک ہوجائیں۔ میرا خیال ہے اُن رسوم و روایات کے پیش نظر جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں مشترکہ طور پر جاری و ساری ہیں آبادی کا ایسا تبادلہ قطعی ناقابل عمل ہے تاہم اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ نظریہ ممکن العمل ہے تب بھی ہندوستان کے دوسرے حصوں کے مسلمانوں کا کیا ہوگا؟ ان کے تحفظ کا کیا انتظام ہوگا؟ اِن سب کو دوسرے صوبجات سے منتقل کرکے اِن دو علاقوں یا کسی اور علاقے میں مرکوز نہیں کیا جاسکتا۔ اگر جنم بھومی کے ساتھ اُس فطری لگاؤ کا خیال نہ بھی کیا جائے جو ہر ہندوستانی میں مشترکہ طور پر پایا جاتا ہے تب بھی اتنے وسیع پیمانے پر تبادلۂ آبادی کے اخراجات اور تکلیفیں تصور میں نہیں آسکتیں۔

جہاں تک مجھے علم ہے متعدد تجاویز میں سے صرف ایک تجویز ایسی ہے جس میں تبادلۂ آبادی کا تصور پیش کیا گیا ہے۔ اگر ان متجانس الاجزاء (HOMOGENOUS) اسلامی اور غیر اسلامی علاقوں کی تشکیل ناقابلِ عمل ہے تو پھر دو یا دو سے زیادہ خالص اسلامی علاقے بنانے سے مسئلۂ اقلیت کا کیا حل ہوگا؟ مسلمانوں کی کثیر تعداد جو کئی لاکھ نفوس پر مشتمل ہے اُس وقت بھی اُن علاقوں میں رہنے پر مجبور ہوگی جنمیں غیر مسلم آبادی کی کثرت ہے۔ ایسے میں اگر پھر یہی فرض کر لیا جائے کہ اکثریت اقلیت کو نقصان پہنچاتی ہے تو وہ کونسی سپر ہے۔ جس سے مسلمان اِس اکثریت کے تشدد سے محفوظ رہ سکتے ہیں؟ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی علاقوں میں غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ مہمانوں کا سا سلوک کیا جائے گا اور اِسی طرح اُس مسلم اقلیت کے حقوق کی بھی حفاظت ہو جائے گی جو غیر مسلم علاقوں میں مکین ہے اور اس طرح مسلمانوں اور غیر مسلموں کو مجبور کیا جا سکے گا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں کی اقلیتوں کے ساتھ رواداری سے پیش آیں ورنہ بصورتِ دیگر اِن کے ہم قوم اور ہم مذہب دوسرے علاقوں میں جبر کا شکار بنائے جاہیں گے۔

یہ خیال بھی محض غلط ہے۔ آج کل بھی شمال مغربی علاقوں یعنی پنجاب اور صوبہ سرحد، سندھ اور بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور دوسرے

صوبوں میں غیر مسلم قوموں کی کثرت ہے۔ دریں صورت حال اگر ظلم و تعدی کی وہ کہانی جو مسلم لیگ کی طرف سے نشر کی جارہی ہے۔ تھوڑی بہت بجنسہٖ مان بھی لی جائے جب بھی اُن علاقوں کی اقلیتوں کو دوسرے علاقوں میں ہمقوموں کی اکثریت کی وجہ سے کیا فائدہ حاصل ہُوا اس لئے یہ ماننا ہی ہوگا کہ تحفظ کا تمام و کمال نظریہ غلط نفسیاتی بنیادوں پر قائم کیا گیا ہے۔ واحد ذریعۂ تحفظ جس پر مکمل اطمینان رکھا جا سکتا ہے اور جس کو حاصل کرنے کی کوشش فی الحقیقت مستحسن ہے وہ ہے جو قوموں کی باہمی رواداری۔ انسان کے شریفانہ خصایل جن سے ہر قوم متصف ہوتی ہے۔ اور اُن تعلیمات سے ماخذ ہو جو ہر مذہب نے دی اور جو اَب انسانیت کا جزو لاینفک بن چکی ہیں گو نام نہاد ایامِ جاہلیت اِن سے بے بہرہ رہے تھے۔

اس عمومی بحث کے بعد میں ذرا وضاحت کے ساتھ اُن مختلف تجاویز کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو ہندوستان کو تقسیم کرنے کے لئے پیش کی گئی ہیں۔ اِن میں سے تین یعنی (۱) پاکستان اسکیم جو (۲) انڈستان اسکیم (۳) اور علیگڈھ کے دو استاذہ کی اسکیم پر ترمیم کرکے اور ان میں ضم کرکے تیار کی گئی ہے۔ اس بات پر زور دیتی ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مختلف حکومتیں قائم کی جائیں جو ایک دوسرے سے آزاد رہ کر ۱۹۳۵ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے مطابق قائم شدہ فیڈریشن کا مقصد پورا کرنے کے لئے متحدہ منطقوں سے باہمدگر منسلک ہوں۔

ان تمام اسکیموں میں انڈستان اسکیم ایسی ہے جو پنجابی کی کتاب "کانفیڈریسی آف انڈیا" میں مکمل وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے علیگڈھ کے دو استاذہ کے قلم سے نکلے ہوئے ایک چھوٹے سے پمفلٹ میں ان کی اسکیم جزوی طور پر دی گئی ہے لیکن یہ رسالہ بھی کافی واضح اور قابل فہم ہے۔ یہ انڈستان اسکیم سے بعض معاملات میں مختلف تو ہے لیکن ان دونوں تجاویز کا اساسی تصور ایک ہی ہے

اور ان کے اغراض بھی ایک ہی ہیں - یہ اساسی تصور یہ ہے کہ ہندو اور مسلمان دو مختلف قومیں ہیں ان کا اختلاف محض مذہب تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ مختلف تمدن اور متنفاد سیاسی اور اقتصادی مصالح کی حامل ہیں -

"پنجابی" کی کتاب کانفیڈریسی آف انڈیا میں اِس بات پر بار بار زور دیا گیا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک قوم سمجھ لینا نا یخاً اور حقیقاً غلط ہے - ان دونوں کے اختلافات اور تنازعات اتنے گہرے اور دور رس ہیں کہ ان کا واحد قومیت میں جذب ہو جانا ناممکن ہے - صفحہ ۵ پر اِس اصرار کے ساتھ اس مسلے کا آغاز ہوتا ہے "قومی ہندوستان تعمیر کرنے کی کوششوں کا بنیادی اصول غلط تصور پر قایم کیا گیا ہے اور وہ تصور یہ ہے کہ ہندوستان ایک ملک ہے اور ہندوستانی ایک قوم کی حیثیت رکھتے ہیں" اس طرح اِن دونوں قوموں کے باہمی فرق بیان کرنے کے بعد صفحہ ۸۸ اور ۸۹ پر لکھا ہے "جب قوم پرست ہندو مسلم اتحاد کی تبلیغ کرتے ہیں تو مذہب اور سیاست کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دینے پر بہت زور دیا جاتا ہے - ہندوؤں کے لیئے اِس نصیحت پر عمل درآمد کرنا ممکن ہوگا کیونکہ ان کا مذہب اب بھی ان کے نظام تمدن سے مختلف ہے - لیکن اسلام میں مذہبی

اور سیاسی اعتقادات ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ یہ اس دنیا اور آنے والی دنیا کی بھی وضاحت کرتا ہے۔ مذہب اور سیاست تمام مسلمانوں کے ذہن اور خیال میں ایک دوسرے میں جذب ہو چکے ہیں اور علیٰحدہ نہیں کئے جا سکتے۔ وہ پہلے ہندوستانی اور پھر مسلمان یا اس کے برعکس نہیں بن سکتے ان کا مذہب ان کی سیاست کو اپنے دامن سے وابستہ کئے ہوئے ہے اور ان کی سیاست ان کے مذہب ہی کا ایک جزو ہے۔ مسجد صرف عبادت گاہ ہی نہیں بلکہ دار المشورۃ بھی ہے۔ مسلمانوں کو اجازت ضرور ہے کہ وہ انفرادی طور پر علیٰحدہ علیٰحدہ نماز ادا کر لیں لیکن نماز باجماعت زیادہ مستحسن ہے۔ روزانہ نمازوں کے علاوہ دوسرے مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو نماز جمعہ اور عیدین کی نمازیں ادا کرنا بھی ان کے اہم فرائض میں شامل ہے۔ ان کی زندگی کے مذہبی۔ تمدنی۔ اقتصادی اور سیاسی شعبوں کا مرکز مسجد قرار دی گئی ہے۔ اس لئے وہ مذہب اور سیاست کو ایک دوسرے سے علیٰحدہ کر دینے سے قاصر ہیں اور نہ ہی ان میں سے کسی کو ایک دوسرے پر ترجیح دے سکتے ہیں۔ ان کی پیدائش ایک خاص نظام میں ہوئی ہے اور کوئی نظام ان پر جبراً عاید نہیں کیا گیا۔ مذہب اور سیاست بدن ان کے لئے ہم معنی الفاظ ہیں۔ اسلئے ہندو مسلم اتحاد یا قومیت جس سے تمام غیر مذہبی معاملات میں

ہم آہنگی مقصود ہو کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی مذہبیت جس میں مذہب اور سیاست کا تصور باہمد گر ناقابل شکست رشتوں سے منسلک کر دیا گیا ہے اپنے نشو و نما کے لئے مکمل علیحدگی چاہتی ہے۔ ایک مرکزی حکومت کا خیال جس میں متفائر اللجزاء ارکان موجود ہوں اسلام کے منافی ہے اور اس سے کبھی بھی فائدہ نہیں پہنچ سکتا ؛؛

اِس نکتے پر کہ کس طرح اِن دو قوموں (جن کو مصنف کے خیال کے مطابق غلطی سے ہی قوموں کا نام دیا گیا ہے) کے اغراض و مفاد ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ایک طویل بحث کرنے کے بعد اُس نتیجے پر پہنچے ہیں جو تمام قوم پرستوں کے لئے انتہائی ہمت شکن۔ تاریخی اعتبار سے غلط اور اِس ملک کے مستقبل کے لئے قطعی یاس انگیز ہے۔ صفحہ نمبر ۱۵۰ اور ۱۵۷ پر لکھتے ہیں "گذشتہ بحث سے ہم اِس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہندو اور مسلمان بالکل مختلف جماعتیں ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ ان دونوں قوموں کی تہذیبیں مختلف ہیں اور اِس امکان کے باوجود کہ اِن دونوں تہذیبوں نے ایک دوسرے پر اثر کیا ہو یہ کسی طرح بھی نہیں سمجھا جا سکتا کہ یہ ایک دوسرے میں جذب ہو جائیں گی۔ ان کے خصائل، رواج تمدنی نظام۔ اخلاقی نصاب۔ دینی۔ سیاسی اور معاشرتی خیالات۔ توہمات۔ زبان۔ ادب۔ فنِ تعمیر۔ فنونِ لطیفہ اور نظریاتِ زندگی نہ

صرف ایک دوسرے سے مختلف ہیں بلکہ ایک دوسرے کی ضد ہیں! ان
دونوں قوموں کی زندگی کی یہ متغایر ضروریات یقیناً وہ مسالحہ مہیا نہیں کرسکتی
جن سے واحد قومیت کی تعمیر ہوسکے۔ یہ دونوں ہمیشہ باہمی مناقشت
اور غلط فہمی کا شکار ہوتی ہیں۔ ان دونوں کے درمیان وہ اساسی اختلاف
گذشتہ اور موجودہ رقابتیں اور وہ شکایتیں جو ان دونوں نے گذشتہ ہزار
سال سے ایک دوسرے کے خلاف جمع کر رکھی ہیں ایک ایسی خلیج حائل
کئے ہوئے ہیں جو مدت العمر تک پاٹی نہیں جاسکتی۔ جیسا کہ ہم پہلے کہہ
آئے ہیں گذشتہ چند صدیوں سے ان دونوں کے درمیان ایک یکسانی پیدا
ہوگئی ہے اور اس کی وجہ محض یہ ہے کہ دونوں یکساں طور پر ایک غیر
ملکی حکومت کے ماتحت ہیں۔ جونہیں غیر ملکی حکومت کی وہ زنجیر جس نے
ان دونوں کو باہمد گر منسلک کردیا ہے ٹوٹی یہ بکھر جائیں گی اور وہ باہمی
اختلافات جو اب اپنی پوری قوت سے ابھرنے نہیں پاتے اپنے اصلی
رنگ میں ظاہر ہوجائیں گے"!

علیگڈھ کے دو اساتذہ اپنے چھوٹے سے پمفلٹ میں پنجابی سے
کم پُرجوش نہیں ہیں۔ ۱۹۳۵ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ پر تبصرہ
کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں"۔ اس کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ یہ (ایکٹ)
اس ناقابل تردید حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا کہ مسلمان ہندوؤں سے قطعی

مختلف قوم ہے جو نظریات حیات اور اغراض و مقاصد کے اعتبار ہندوں کی ضد ہے اور کسی طرح بھی کسی دوسری قوم میں خواہ وہ قوم ہندو ہو یا غیر ہندو جذب نہیں ہو سکتی" اور پھر "ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہم مسلمانانِ ہند کو اپنی پوری قوتیں صرف کر کے اِس امر پر زور دینا چاہیئے کہ ہندوستان کے مسلمان۔ اور باتوں کے ساتھ ساتھ۔ بذاتِ خود ایک علیحدٰہ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی ایک بدیہی قومی ہستی ہے جو ہندوؤں اور دوسرے غیر اسلامی فرقوں سے قطعی طور پر علیحدٰہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اختلاف اُس اختلاف سے کہیں زیادہ شدید ہے جو ساڈیتن جرمنوں اور زیکس میں تھا"

اِن قیاسات کو بنیاد قرار دیتے ہوئے ہندوستان کو تقسیم کرنے یا قسمتوں میں بانٹ لینے کے اغراض و مصالح کو بھی ایسے ہی صاف، زور دار اور جامع الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اِس سے مقصد یہ ہے کہ نام نہاد اسلامی علاقوں میں اسلامی حکومتیں قائم کی جائیں اور اِن حکومتوں کو دوسرے ہندوستان سے علیحدٰہ کر دینے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کانفیڈریسی آف انڈیا کے صفحہ نمبر ۱۹۸ اور ۹۹ پر لکھا ہے "آزادی کا جو مفہوم کانگرس سمجھ رہی ہے مسلمانوں کے نزدیک اس کا مطلب وہ نہیں ہے۔ کانگرس کے نزدیک آزادی، ایک قومی ضرورت ہے۔ وہ اِسے قومی

عزت نفس کے احیاء کے لئے چاہتی ہے اور اس سے وہ تمام قومی تمدنی اور اقتصادی فوائد حاصل کرنا چاہتی ہے جو اس کا نتیجہ ہوا کرتے ہیں مسلمان آزادی کو ایک مذہبی ضرورت سمجھتا ہے اور اس کے ذریعے سے وہ تمام روحانی اور دنیاوی فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے جس کا وعدہ انہیں اسلام دیتا ہے مسلمان اپنے مذہبی اور تمدنی منتہائے نظر کے لئے آزادی چاہتا ہے کیونکہ یہ منتہائے نظر کسی غیر حکومت میں مکمل نشوو نما پا نہیں سکتا کسی غیر حکومت کے زیر اثر بلکہ کسی ایسی حکومت میں جو کسی غیر مسلم قوم سے تعلق رکھتے ہوئے بنائی جائے فردِ واحد کی اسلامی شخصیت جس پر حصولِ جنت کا دارومدار ہے پنپ نہیں سکتی کیونکہ ایسی صورتِ حال میں اظہار خودی کے مواقع کم ہو جاتے ہیں مسلمانوں کی مذہبی ضروریات جن میں ان کی زندگی کا روحانی پہلو اور جسمانی پہلو داخل ہے۔ کو وہی حکومت پورا کر سکتی ہے جس میں اظہار خودی کے مواقع دیئے جاسکیں۔ ایسی حکومت صرف اسلامی حکومت ہی ہو سکتی ہے۔ اور وہ حکومتیں جو اسلامی نہیں مسلمانوں کو صرف گناہ کی نجاستوں میں آلودہ ہونے ہی کے مواقع بہم پہنچا سکتی ہیں "

مصنف غیر ملکی نظریات کی تردید کرتا ہے اور انڈستان اسکیم کے اغراض کو ان الفاظ میں واضح کرتا ہے (صفحہ ۷۱) ہم اُن مسلمان

علیحدگی پسندوں کو جو اس علیحدگی کے بعد بیرونِ ہند حکومتوں سے تعلق پیدا کرنا چاہتے ہیں یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اس علیحدگی کا مطالبہ کرتے وقت اِس قسم کے زائد ملکی نظریات (

) مطامع نظر یا تعلقات کو ذہن میں

نہیں آنے دینا چاہیئے۔ ہمیں علیحدگی پسند اور الحاق پسند کا مجموعہ ہونا چاہیئے اور اگر ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان کا الحاق پسند نہ کریں تو ہمیں صرف علیحدگی پسند ہونا چاہیئے اور صرف اپنے علاقہ جات کو ہندو ہندوستان سے علیحدہ اور بے تعلق کر دینے کا مطالبہ کرنا چاہیئے۔ ہمارا علیحدگی کا یہ مطالبہ صرف اس غرض سے ہونا چاہیئے کہ ہم ایک فرخندہ تر اور مطمئن تر ہندوستان کی تخلیق چاہتے ہیں۔ خواہ یہ منقصد ہندو تہذیبی منطقوں اور مسلم تہذیبی منطقوں کی علیحدگی کے بعد انہیں فیڈرل طور پر ملحق کر کے ایک دوسرے سے آزاد اور خود مختار رکھنے سے پورا ہو۔ یا مکمل علیحدگی سے جہاں ہم ہندو ہندوستان سے علیحدہ اور خود مختار رہ کر ملحق شدہ ریاستوں کے اجتماع سے اپنا علاقہ بنالیں۔ ہمارے اندر غیر ملکی اجزأ نظر انداز کیئے جانے کے قابل ہیں اور ہم بھی اِس زمین کے اُسی طرح عیال ہیں جس طرح کہ ہندو ہیں۔ بالآخر ہم ہندوستان

ہی میں رہ کر اپنی قسمت کو بنا یا بگاڑ سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے شمال مغربی مسلم علاقے کو پاکستان کا نام دینے کی بجائے انڈستان کا نام دیا ہے۔"

لیکن اس اسکیم کا یہی مقصد نہیں اور کتاب کے آخیر میں صفحہ ۲۶۹ - ۲۷۹ سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ "یہ واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے علاقے کی ہندو ہندوستان سے علیحدگی بذات خود معلول نہیں بلکہ آئیڈیل اسلامی ریاست کے حصول کی ایک سبیل ہے۔ مجوزہ تقسیم یقیناً ہمیں ہندوؤں کی اقتصادی غلامی سے نجات دلوانے کا ذریعہ ثابت ہوگی۔ لیکن کیونکہ ہمارا مطمع نظر آئیڈیل اسلامی ریاست کا قیام ہے اس لئے مکمل آزادی کے خیال کا بھی اظہار ہو جاتا ہے۔ آزادی مل جانے کے بعد کسی غیر اسلامی ماحول میں ہم زیادہ دیر تک اسلامی ریاست قائم نہ رکھ سکیں گے۔ اس لئے ہمیں عالمگیر انقلاب برپا کرنا پڑے گا جو اسلامی خطوطِ عمل کے مطابق ہو۔ علیحدگی ہندوؤں کی اقتصادی غلامی سے رہائی اور برطانوی آئینی اقتدار سے آزادی محض چند ذرائع ہیں جن کی مدد سے ہم قطعی اسلامی خطوط پر ایک عالمگیر انقلاب برپا کرنے کا مقصد پا سکتے ہیں۔"

علیگڈھ اسکیم کے اغراض و مقاصد بھی یہی ہیں "ان کے مسئلے کا واحد حل سیاسی علیحدگی ہے اور یہ ہمارا سب سے بڑا فرض ہے کہ ہم اِس کے لئے جد وجہد کرنے میں اپنے خون کا آخری قطرہ دے دیں۔ پاکستان، ہندوستان اور بنگال کی خود مختار ریاستوں میں سے ہر ریاست انفرادی طور پر برطانیہ عظمیٰ سے الحاق کا عہد نامہ کرے گی، اور علیحدہ علیحدہ سفیر، اگر کوئی سفیر ہوا بھیجے گی" دونوں قوموں کے باہمی بُعد کے متعلق ڈاکٹر ایس۔ اے لطیف بھی یہی رائے قائم کرتے ہیں۔ صفحہ دس پر رقمطراز ہیں "علم الانسان کی رو سے ہندوستان متجانس (نہیں

ہے یہ مختلف فرقوں اور دونسلی آبادی کا اجتماع ہے۔ لیکن اگر یہاں کی آبادی بالحاظ تمدن ایک ایسی ہوتی تب بھی متغایر قوموں کی موجودگی روک ٹوک نہ بنتی لیکن یہ چیز بھی یہاں موجود نہیں ہے۔ دوسرے تمدنوں سے قطع نظر یہاں دو ایسے بڑے تمدن پہلو بہ پہلو موجود ہیں جو قطعی مختلف مذاہب سے پیدا ہوئے ہیں اور زندگی کے ہر شعبے پر اثر انداز ہیں۔ دو مذہبوں — اسلام اور ہندو مت — نے دو قطعی مختلف معاشرتی حلقوں کی تخلیق کی ہے"، اور صفحہ گیارہ پر لکھتے ہیں۔ "اِن تکالیف میں مزید اضافہ اس حقیقت سے ہوجاتا ہے کہ یہ

ملک واحد قومیت کے تصور کے لئے بہت زیادہ وسیع میدان عمل پیش کرتا ہے ہندوستان ملک نہیں بلکہ ایک برِ اعظم ہے اور اس کا حجم یورپ منفی روس کے برابر ہے۔ یہاں تک کہ وہ سیاسی یا اقتصادی اتحاد جو اَب نظر آتا ہے صرف برطانوی حکومت کی وجہ سے ہے اور بعض اس واحد وجۂ اتحاد کو بھی برباد کیا چاہتے ہیں "ہندو مسلم مسئلہ حقیقت میں سیاسی مسئلہ ہونے کی بجائے لفظ کے وسیع تر معنوں میں کلچرل مسئلہ ہے اور اُن دو قوموں کے مستقبل پر اثر انداز ہو رہا ہے جس میں سے کوئی میں ایک دوسرے میں ضم ہونا نہیں چاہتی بلکہ دونوں شاید یہ چاہتی ہوں کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ جہاں تک ممکن ہو سکے دوستانہ تعلقات رکھیں۔ اِس لئے ایک ایسے ملک سے جسمیں متغائر ملل معتقدات اور کلچر کے لوگ آباد ہوں واحد قومیت پیدا کرنے کا خیال چھوڑ دینا چاہئے۔ یہ ہندوستانی سرزمین پر نشو ونما نہیں پا سکتا دونوں قوموں میں بڑے دور رس اور دیرپا شکوک نے جڑ پکڑ رکھی ہے اِس سے اِنکار ممکن نہیں۔ ہندوؤں کو خوف ہے کہ اگر ہندوستان کو برطانوی حکومت سے آزادی مِل گئی تو بہت ممکن ہے کہ ایک دفعہ پھر شمال مغربی علاقوں سے جہاں اُن اسلامی حکومتوں کی ایک زنجیر بحر اٹلانٹک تک چلی گئی ہے جو ایسا پین اسلامک شعور حاصل کرتی

جا رہی ہیں جو کسی زمانے میں نئی قوتوں کو بر سر عمل لاکر دنیا کے مختلف حصص میں انضباط نو یا ترتیب نو کو ممکن ہے کہ دعوت دے اسلامی اقتدار پھیلنے لگے ۔ اس لئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہندوستان کی ہندو قومیت اس خیال سے اختلاف ظاہر کرنے کے باوجود "پورنا سوراج" یا آزادی دل سے چاہتی ہے ۔ اس آزادی کا مفہوم صحیح طور پر "سٹیچوٹ آف ایسٹ منسٹر" کے الفاظ میں ادا کیا جا سکتا ہے ۔ کیونکہ اِس آزادی سے انہیں ملک کے اندرونی انتظامات میں پورا اقتدار حاصل ہو جائے گا اور ساتھ ہی ساتھ انہیں ملک پر شمال مغربی علاقوں کی طرف سے حملے کی صورت میں برطانوی حفاظت لازمی طور پر مل جائیگی ۔ اس کے برعکس مسلمانوں کے لئے یہ احساس ناگزیر ہے کہ اگر ہندو قوم یہ قوت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تو مسلمان ہمیشہ کے لئے اس کے ماتحت آجائیں گے اور اپنے مخصوص تمدنی خطوط پر خود مختار زندگی بسر کرنے کے مواقع اِن کے لئے نہ ہونے کے برابر رہ جائیں گے ۔ دونوں قوموں کی یہ بدگمانی حقیقی ہے اور اگر ہندوستان میں دائمی اطمینان اور فرخندہ روی پیدا کرنا ہے تو اِن بدگمانیوں کو ہمیشہ کے لئے دور کرنا پڑے گا ۔" ڈاکٹر لطیف کا مقصد مختلف تہذیبی منطقے پیدا کرنا ہے جو الگ الگ ہندو اور مسلمان حکومتوں کے ماتحت ہوں اور اِن سب کو فیڈریشن آف انڈیا میں باہمدگر منسلک کر دیا جائے ۔

باب (۲)

کانفیڈریسی اسکیم

اب میں اُن متعدد تجاویز کو بیان کروں گا۔

وہ تجویز جو پنجابی نے اپنی کتاب کانفیڈریسی آف انڈیا میں پیش کی ہے۔ بدیں الفاظ بیان کی جاسکتی ہے۔

اِس تجویز کی رو سے براعظم ہندوستان کو مندرجہ ذیل اصولوں کے مطابق متعدد ملکوں میں تقسیم کر کے دوبارہ وفاقِ ہند میں منسلک کیا جاسکتا ہے (۱) ممالک سندھ کا وفاق جس میں پنجاب (جس سے وہ ہندو علاقے مستثنیٰ ہیں جن میں قسمت انبالہ، صوبہ کانگڑہ تحصیل جونا اور گڑھ شنکر اور صوبہ ہوشیار پور شامل ہیں) سندھ، صوبہ سرحد، کشمیر، بلوچستان، بہاولپور، امب، سوات، چترال، خانپور، قلات، راس بیلہ، کپورتھلہ اور مالیر کوٹلہ وفاقی وحدت کے طور پر شامل ہونگے۔ مصنف نے حساب لگایا ہے کہ ممالک سندھ کا یہ وفاق جس کو وہ "انڈستان" کا نام دیتے ہیں۔ ۳۸۰۸۹۸۳ مربع میل کے رقبے اور ۰۰۰و۳۰و۳ آبادی پر مشتمل ہوگا جس میں ۸۲ فیصد مسلمان، ۶ فیصد سکھ اور ۸ فیصد ہندو

ہونگے -

(۲) وفاقِ ہندو ہندوستان جس میں ممالک متحدہ آگرہ و اودھ - ممالک متوسط، بہار بشمول بعض حصہ بنگال، اڑیسہ، آسام، مدراس بمبئی اور دیسی ریاستیں (باستثنائے راجستان اور ریاست دکن جو ریاستی وفاق میں شامل ہیں) اِس حصے میں وفاقی وحدت کے طور پر شامل ہیں۔ انہوں نے اِس علاقے کے رقبے اور آبادی کا حساب نہیں لگایا اِس کا رقبہ اور آبادی یہ ہوگی -

رقبہ :- ۷،۴۲،۱۷۳ مربع میل -

آبادی :- ۲۱،۶۰،۴۱،۵۴۱ -

ہندو تناسب :- ۸۳۶۷۲ فیصد -

مسلم تناسب :- ۱۱ فیصد -

(۳) وفاقِ راجستان :- اس میں راجستان اور وسطی ہند کی مختلف ریاستیں وفاقی وحدت کے طور پر شامل ہیں۔ ان کا رقبہ اور ان کی آبادی حسب ذیل ہے -

رقبہ :- ۱،۸۰،۶۵۶ مربع میل -

آبادی :- ۱،۷۸،۵۸،۵۰۲ -

ہندو تناسب :- ۸۶۶۳۹ فیصد -

مسلم تناسب :- ۹-۸۶ فیصد -

(۴) ریاستہائے دکن کے وفاق میں حیدرآباد میسور اور ریاستہائے بستور وفاقی وحدت کے طور پر شامل ہیں۔ ان کا رقبہ اور آبادی مندرجہ ذیل ہے -

رقبہ :- ۰۸۶ و ۲۵ و ا مربع میل -

آبادی :- ۱۷ ا و ۸ ا و ۵ ا و ۲ -

ہندو تناسب :- ۲۸ ، ۸۵ -

مسلم تناسب :- ۹۹ ، ۸ -

(۵) وفاقِ بنگال :- مشرقی بنگال کا وہ علاقہ جس میں مسلمان کثرت سے آباد ہیں اور آسام کے گوالپاڑ اور سلہٹ اضلاع صوبجاتی وحدت اور تریپورہ اور دوسری ریاستیں جو صوبجاتی وحدت میں شامل ہوں یا ہندو ہندوستان سے کٹ گئی ہوں ملکی وحدت کے طور پر اس وفاق میں شامل ہیں۔ مصنف کے بیان کے مطابق اس وفاق کا رقبہ ۴ ۹ ۷ ۵ ۹ مربع میل ہے۔ اور آبادی ....۰....و ۱۰ ا و ۳ کے قریب ہے جس میں ... د ... د ۵ ۰ و ۲ یا ۱۶۱ ،۶۶ فیصد مسلمان اور ...۰...۰ ۱۰ و ا یا ۹ ،۳۳ فیصد ہندو ہونگے۔ مصنف کو اعتراف ہے کہ اس علاقے کے حالات سے بے خبر ہونے کی وجہ سے اس کی تجاویز

میں ایسی تبدیلیاں کی جاسکتی ہیں جو وہاں کے مقامی مسلمان مناسب سمجھیں۔ یہ اعداد وشمار بھی بالکل درست معلوم نہیں ہوتے کو تناسب کا دھندلا سا خاکہ پیش کر دیتے ہیں۔ بنگال کے وہ اضلاع جو اِس وفاق میں شامل کئے گئے ہیں۔ دیناج پور، مالدا، بوگرا، راج شاہی، مرشدآباد پابنا، میمن سنگھ، نادیا، جیسور، فرید پور، ڈھاکہ، تپیرا، نواکھالی۔ باقر گنج، فلنا۔ اور چٹاگانگ ہیں۔

ہندوستان کے اِس وفاق میں جو مندرجہ بالا اصولوں کے مطابق مرتب کیا جائے گا ہر وفاق جو اس میں شمولیت کرے گا اپنے لئے ایک گورنر جنرل مقرر کر سکتا ہے۔ جو اپنے ماتحت وفاقی وحدتوں کے گورنروں کی شمولیت سے وفاقی حکومت کے سامنے وفاقی رعایا اور وفاق میں شامل شدہ ریاستوں کے متعلق مرکزی حکومت کے حقوق وفرایض کا جوابدہ ہوگا۔ وفاقی اختیارات ایک ڈائریکٹرائے کو تفویض کئے جاسکتے ہیں جس کی مدد کے لئے ایک اسمبلی ہو جو ہندوستان کے مختلف وفاقوں کے نمائیندوں سے مرتب کی جائے۔ وفاقوں سے منتخب کئے جانے والے ممبروں کی تعداد وفاق کی حیثیت کے مطابق متعین کی جاسکتی ہے اور یہ حیثیت اُس وفاق کے جغرافیای محلِ وقوع، آبادی، رقبہ، اور اقتصادی حالات کو پیش نظر رکھ کر

سمجھی جائے۔ خارجی تعلقات، دفاعی انتظامات، کسی مشترکہ قدرتی مخرج سے پانی کی یافت کا معاملہ اور ہندوستانی ریاستوں (جنہیں کسی برطانوی صوبجاتی وفاق سے اشتراک کرنے کا حق حاصل ہوگا) سے متعلق مرکزی حکومت کے حقوق و فرائض کی دیکھ بھال اپنے گورنر جنرل کے ہاتھوں سونپ دیں جو اِن سب کے لئے وائسرائے کے سامنے جوابدہ ہوگا۔ کانفیڈریسی میں شامل ہونے والے مختلف وفاق یا تو بلا واسطہ کانفیڈریسی کا مالیہ بہم پہنچا سکتے ہیں یا اپنی آمدنی کے چند خاص ذرائع کا کچھ حصّہ اس کے اخراجات کے لئے وقف کردیں،، "شمال مغربی مسلم وفاق کو چاہئے کہ وہ کسی طرح بھی محصولات کو وفاقی مالیہ کے لئے ذریعۂ آمدن قرار دینے کی اجازت نہ دے"۔

مصنف رقمطراز ہے "کہ دوملتی (
سہ زبانی (
) اور مخمس الاجزا (
) کانفیڈریشن کا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ انوکھا ہو اور تاریخ میں اِس کی نظیر نہ مِل سکے لیکن یہ ناقابلِ عمل نہیں ہے۔ گھٹائی ہوئی ہندو اقلیت اور ریاست کشمیر کی مسلمان آبادی پر حکومت کرنے والا ہندو راجہ مسلم اقلیت اور

ہندو ہندوستان میں مسلمان نظام کے لئے حفاظت کی ضمانت ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح اس کے برعکس بھی! اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم ہندوستان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے مختلف قوموں میں آبادی اور تمدن کے لحاظ سے بانٹ کر جزیرہ نما ہندوستان کی جغرافیائی وحدت کو منتشر کر دیں۔ اس کا مطلب محض ایک اندرونی تقسیم ہے جو ایک متحد خاندان کے افراد میں ان کے باہمی تعلقات اور قرب کو ضعف پہنچائے بغیر عمل میں لائی جائے گی۔ اس لئے تقسیم کا مفہوم جزیرہ نما کے مختلف حصوں کو بلحاظِ تمدن مختلف قوموں میں بانٹ کر انہیں ایک کانفیڈریسی میں دوبارا متحد کر دینا ہے (صفحہ ۱۵ اور ۱۶)

مصنف تبادلہ آبادی کو پسند نہیں کرتا چنانچہ کہتا ہے۔ "ان علاقوں کو جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے ہندو ہندوستان سے آبادی کا تبادلہ کئے بغیر علیحدہ کر دینا زیادہ مستحسن ہے۔ علاقہ سندھ (قسمت انبالہ اور شمال مغرب میں پنجاب کی دوسری ہندو آبادیوں کو چھوڑ کر) بنگال کی چٹاگانگ، ڈھاکہ، اور راج شاہی قسمتیں اور آسام کے مشرقی اضلاع یعنی گوالپاڑہ اور سلہٹ بڑی آسانی کے ساتھ ہندوستان سے علیحدہ کر کے دو مختلف ریاستوں میں منتظم کئے جا سکتے ہیں۔ اس طرح یہ علیحدگی علاقہ سندھ کے ۶۵، و ۱۳ و

کو حل نہیں کر سکتی!

(۳) کانفیڈریسی کی وحدتیں کسی منطقیانہ یا سمجھ میں آجانے والے اصول پر مرتب نہیں کی گئیں۔

(۴) ہندو مسلم اقوام کے سوا کسی تیسری قوم کو اِس بحث میں شامل نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ان کے مسائل خود بخود سلجھ جائیں گے۔ باوجودیکہ پنجاب کے معاملہ پر غور کرتے وقت سکھوں پر بھی بحث کی گئی ہے لیکن یہ سوال ویسے کا ویسا چھوڑ دیا گیا ہے۔

(۵) اِن تمام تجاویز کا مطلب ہندوستان کو تقسیم کر لینے یا اس پر خالص اسلامی اقتدار قائم کرنا ہے۔

میں اب اِن میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ لیتا ہوں یہ کہنا غلط ہے کہ ہندوستان ایک ملک نہیں ہے۔ طبعی، فطری اور جغرافیائی اعتبار سے ہندوستان ایک ملک ہے یہ یقینی طور پر اور بے مثال انداز میں قدرتی حدود کے ذریعے سے دوسرے ممالک سے الگ کر دیا گیا ہے۔ یہ جزیرہ نما ہے۔ اور اِس کی تین اطراف سمندر سے گھری ہوئی ہیں۔ شمال میں عظیم الشان ہمالیہ ہے۔ اس کے شمال مشرق اور شمال مغرب میں وہ قدرتی سلسلۂ کوہ موجود ہے جو شاید بے مثال ہو۔ یہ درست ہے کہ خود ملک کے اندر زمین، آب وہوا اور قدرتی مناظر میں

فرق موجود ہے لیکن یہ فرق کم و بیش ہر ملک میں نظر آتا ہے یہاں تک کہ وہ علاقے جن کو براعظم ہندوستان میں علیحدہ ملک سمجھنے کی تجویز کی جا رہی ہے یعنی شمال مغربی سندھ کا علاقہ اور شمال مشرقی بنگال اور آسام کے علاقے بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ یہاں بھی بہت بڑی حد تک زمین آب و ہوا اور قدرتی مناظر میں فرق نظر آتا ہے۔ اور اگر اس تنوع اور فرق کے باوجود شمال مغربی علاقہ جو اُن تمام مختلف اور متضاد چیزوں کو جو ہندوستان میں پائی جاتی ہیں چھوٹے پیمانے پر پیش کرتا ہے۔ ایک واحد ملک سمجھا جا سکتا ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ سارے ہندوستان کو بھی ایک ملک نہ سمجھا جائے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہمالیہ اور بحر ہند، ہندوکش اور خلیج بنگال اور شمال مغربی سرحد کے سلسلہ کوہ کا درمیانی حصہ ہمیشہ سے ایک ملک سمجھا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ملک میں ایسی حکومتیں موجود تھیں جو کم و بیش ایک دوسرے سے خود مختار رہتی تھیں لیکن ہر بڑے بادشاہ کی کوشش یہی رہی ہے کہ وہ سارے ہندوستان کو اپنے اقتدار میں لے آئے۔ شری رام چندر کے اسطوری عہد سے لے کر چندر گپت۔ اشوک، گپت شہنشاہوں، پٹھان بادشاہوں، مغل شہنشاہوں اور موجودہ دور کی برطانوی سلطنت تک یہی حالت رہی ہے۔

کسی نے بھی جغرافیائی ہندوستان کے کسی حصے کو علیحدہ ملک نہیں سمجھا۔ کبھی کبھی
اور وہ بھی بہت ہی تھوڑے عرصے کے لئے شمال مغربی علاقے کی حد بندی
کے خطوط مختلف حکمرانوں کی قوت کے مطابق بدلتے رہے ہیں لیکن کسی
زمانے میں بھی ہندو، مسلمان یا انگریز اِس بات پر رضامند نہیں ہوئے
کہ طبعی حدود کے اندر آنے والے ہندوستان کا کوئی حصہ ایک علیحدہ ملک ہے
یہ بھی قطعی غلط ہے کہ ہندو اور مسلمان دو علیحدہ علیحدہ قومیں ہیں۔
اِس حقیقت کا تو فاضل مصنف کو بھی اعتراف ہے کہ ان دونوں کے
درمیان نسلی امتیاز موجود نہیں کیونکہ مسلمان زیادہ تر وہی ہندو ہیں
جو تبدیل مذہب سے مسلمان ہوئے۔ وہ جس صوبے اور جس علاقے
میں رہتے ہیں مشترکہ طور پر ایک ہی زبان بولتے ہیں چنانچہ پنجاب
میں رہنے والے ہندو، مسلمان اور سکھ پنجابی بولتے ہیں۔ صوبہ سرحد میں
پشتو بولی جاتی ہے، سندھ میں سندھی زبان رائج ہے، بنگال میں
بنگالی زبان بولی جاتی ہے۔ اور آسام کا وہ حصہ جسے بنگال میں شامل
کر لینے کا مشورہ دیا جاتا ہے زیادہ تر بنگالی زبان بولنے والوں پر
مشتمل ہے اِس لئے وہاں بھی بنگالی زبان رائج ہے اِس لئے
ہندو اور مسلمان کے مابین زبان پر کوئی اختلاف نہیں۔ اگر
شمال مغربی علاقہ اِن کثیر زبانوں، یعنی پشتو، کشمیری، پنجابی، سندھی

اور بلوچی (لاتعداد بولیوں سے قطع نظر کرتے ہوئے) کے باوجود ایک ملک بن سکتا ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ سارے ہندوستان کو بھی ایک ملک نہ سمجھا جائے۔ اس طرح ثابت ہوا کہ خون اور زبان کے تعلق کی رو سے یہ دونوں قومیں ایک ہیں۔

اِن دونوں قوموں کا مذہب میں اختلاف ہے اور اِسی مذہبی اختلاف سے معاشرتی رسوم ورواج اور انفرادی قوانین میں فرق پیدا ہو گیا ہے یہ مانا جا سکتا ہے کہ موجودہ بیسویں صدی میں ان دونوں کو دو مختلف قومیں سمجھا جاتا ہے باوجودیکہ آج سے پہلے ایسا خیال نہیں تھا یہاں تک کہ مسلمان بادشاہوں کے عہد حکومت میں بھی اس اختلاف کو زیادہ وقعت نہیں دی جاتی تھی بلکہ کوشش کی جاتی تھی کہ اِسے کم کر دیا جائے۔ متعدد رواج ایسے ہیں جو ہندوؤں نے مسلمانوں سے لئے اور بہت سے ایسے بھی ہیں جو مسلمانوں نے ہندوؤں سے لئے یا یہ بھی ممکن ہے کہ تبدیلیٔ مذہب کے بعد جب ہندو ہندو دھرم چھوڑ کر اسلام کے حلقے میں آ گئے۔ تو وہ رواج ... اپنی اصلی صورت میں قائم رہے ہوں۔ اِن مشترکہ رسوم کا حلقۂ عمل صوبوں فرقوں اور شاید خاندانوں میں بھی مختلف صورت اختیار کر لیتا ہے یہ بات ہر ایک کی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ کٹر مسلمان بعض اُن

رسوم کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو ہندوؤں سے لی گئی ہیں یا جو تبدیلی مذہب کے بعد بھی قائم رہی ہیں۔ وہ ان میں ایسی اصلاحات نافذ کرنا چاہتے ہیں جو ان کے نکتۂ خیال سے اسلام کی تعلیم کے مطابق ہیں۔ اس میں کسی کو اعتراض کرنے کا مجاز نہیں لیکن کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ اس طرح ہندوستان کا ایک حصہ یا ہندوستانی نہ رہیں گے یہ بھولنا نہیں چاہیئے کہ ہندوؤں کو اسلام کی دعوت دینے والے کٹر مسلمان نہ تھے بلکہ وہ لوگ تھے جو روزانہ زندگی کی جزیات پر زور دینے کی بجائے اِن فروعات سے قطع نظر کرتے ہوئے اسلام کی بنیادی مذہبی تعلیم پر زور دیتے تھے۔ خود مسلمانوں میں مختلف فرقے موجود رہے ہیں جو کئی مسائل میں ایک دوسرے سے متفق نہیں تھے لیکن جو اسلام کے بنیادی اصولوں وحدت الہیہ اور اسلام کے عظیم الشان پیغمبر کی نبوت کے مسئلے پر متحد تھے۔ چھوٹے چھوٹے اختلافات نے انہیں مختلف قوموں میں تقسیم نہیں کر دیا۔ زیادہ دور افتادہ ملکوں سے قطع نظر کیا افغانستان کے رسم و رواج وہی ہیں جو ترکی، فارس اور مصر کے ہیں؟ کیا ان کے بود و ماند کے طریقے ایک سے ہی ہیں؟ کیا پنجابی یا سندھی یا سرحدی مسلمان اپنے ترکی، فارسی یا مصری ہم مذہبوں سے لباس، زبان، رسم و رواج اور طریق بود و ماند کے اعتبار سے باستثنائے مذہب و طریق عبادت پنجابی

سندھی یا سرحدی ہندو سے زیادہ مختلف نہیں ہے ؟

یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ اسلام ایک جداگانہ فلسفۂ حیات کا حامل
ہے لیکن اِس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اُن متعدد ممالک میں جہاں اِسکی
ترویج و اشاعت ہوئی اس نے روزانہ زندگی کی جزیات میں ناگزیر اختلافات
کو روا رکھا۔ اگر اس کے بنیادی اصولوں پر ایمان لے آیا جائے تو اس کے
سوا اور کوئی چارہ کار بھی نہیں۔ بنیادی ایمان کو اُن ناگزیر اختلافات کے
باوجود جو اُسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں۔ شعلے کی طرح اُسی
شان سے جگمگانا چاہئے خواہ اُسے حلقہ کرنے والی چمنی کے شیشوں کا رنگ
کچھ ہی ہو۔ اور حالیہ حقایق اِس کا اظہار کرنے میں گذشتہ تاریخ سے کم
واضح نہیں ہیں۔ تو پھر ہندوستان کے مسلمان ہندوستانی کیوں نہ رہیں؟
وہ کیوں اپنی جنم بھومی کو اُس حصے سے علیحدہ کئے بغیر محبت نہ کریں
جسے خود خدا نے ناقابلِ شکست رشتوں سے باہم گر پیوست کر دیا ہے
اُس خدا نے جس نے اپنی نامحدود دانش میں ہندوستان کے "چھوٹے براعظم"
کو ایک واحد کل کی حیثیت بخشی ہے ؟

مسلمانوں کو یہ کہنے کا پورا استحقاق حاصل ہے کہ اِن کے مذہبی
اشغال اور طرزِ عبادت میں کسی قسم کی مداخلت نہ ہو۔ اِنکی تہذیب
اور اِن کے تمدن کا ہر وہ حصہ جو دوسرے تمدنوں سے مختلف ہے

ان کے مخصوص خطوطِ عمل کے مطابق نشو و نما پائے اور بڑھے پھولے۔ یہاں تک کہ ملک کے نظم و نسق میں انہیں ان کا پورا حصہ ملے۔ اور ان تمام چیزوں کے متعلق انہیں پورا اطمینان دلانا چاہیئے اور اُن کے ان جذبات کی عزت کرنا چاہیئے ان تمام مطالبات کو پورا کرنے کا ہر وہ انتظام بروئے کار لانا چاہیئے جو ممکن العمل ہو اور ضروری سمجھا جائے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے اور نہ ہی یہ مطلب ہونا چاہیئے کہ وہ ہندوستانی ہی نہیں ہیں کہ وہ حصہ جس میں وہ رہتے ہیں ہندوستان کا حصہ ہی نہیں بلکہ ایک علیحدہ اور خود مختار علاقہ ہے جو کانفیڈریشن کے بودے تاروں سے تھوڑی دیر کے لئے ہندوستان سے جوڑ لیا گیا ہے اور یہ تار بھی آخر الامر ٹوٹ کر بکھر جائیں گے۔

ہندو ہندوستان کو اسلامی ہندوستان سے علیحدہ کر دینا حقیقتاً مسلمانوں کے گنجلک مسائل کا صحیح حل نہیں ہے۔ اس تقسیم کا نتیجہ شمال مغربی اور شمال مشرقی علاقے کے ہندوؤں اور مسلمانوں پر کسی رنگ میں اثر انداز کیوں نہ ہو ملک کے دوسرے حصے کی جو رقبے میں اس سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔ پریشانیوں کا حل اس میں کوئی نہیں یہ حصہ تقریباً ایک تہائی مسلمانوں کے لئے تکلیف کا باعث رہے گا۔ اگر مسلمانوں پر ہندوؤں کے شدائد کی داستان کچھ بھی صحیح ہے تو یہ مظالم

تقسیم ہند کی صورت میں اگر زیادہ نہ ہوگئے تو کم از کم اُسی صورت میں قائم رہیں گے۔ صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ اور بہار میں مسلم اقلیت ایک اعلےٰ درجے کی تہذیب یافتہ جماعت ہے اور علوِّ ذہن، تعلیم، تمدن یہاں تک کہ دولت کے اعتبار سے بھی ہندوؤں سے کسی طرح بھی کم رتبہ نہیں ہے۔ محض بالحاظ تعداد و شمار ہندوؤں سے کم ہے۔ کیا وہ ہندوؤں کے رحم وکرم پر چھوڑ دی جائیگی؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ یہ صوبجات بھی روشن دماغ مسلمانوں کی ایک کثیر آبادی اپنے اندر رکھتے ہیں؟ ان کا کیا ہوگا؟ باوجودیکہ موجودہ زمانے میں ملک سے علیحدگی اختیار کرنے کو منفعت بخش سمجھنے میں پس وپیش ہوتی ہے۔ ایسی علیحدگی جس کو مجوزہ خطوطِ عمل کے مطابق "خود مختار ممالک تصور کیا جائے۔ جو انفرادی طور پر انگلستان سے عہد نامے کریں اور جو خود مختار رہ کر غیر ملکی ممالک خصوصاً اسلامی ممالک سے تعلقات رکھیں" (صفحہ ۲۶) بروے کار لانے کا لازمی نتیجہ نقصان ہے۔ تاہم شاید شمال مغربی اور شمال مشرقی علاقے کی علیحدگی مقامی مسلمانوں کو کسی حد تک ممکن مدد دے سکے۔ لیکن ہندو علاقوں میں باقی رہ جانے والے مسلمانوں کی تعداد کافی ہوگی اور ہندو مسلم سوال اُسی طرح سیاست دانوں اور معمولی شہریوں کی پریشانی کا باعث بنا رہے گا۔ تحفظات کے وہ

تمام انتظامات جو اَب موجود ہیں اور جو مستقبل میں سوچے جائیں گے بدستور اپنا عمل کرتے رہیں گے۔ مصنف نے کلیتہً علیحدگی کی تردید کی ہے لیکن اس کی تجویز کا اور کوئی معقول اور مدلّل نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا وہ اپنی کتاب کے ماقبل آخر پیروں میں یہ واضح کرجاتا ہے کہ اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں۔

جو تجویز پیش کی گئی ہے اُسے سرسری نظر سے دیکھنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ہندوستان کی کانفیڈریسی میں متعدد وفاق قائم کرنے کی تجویز کو کسی منطقیانہ بنیادوں پر قائم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

شمال مغربی علاقہ بلاشبہ بہت وسیع علاقہ ہے لیکن اس وسعت اور اکثریت کے مشترکہ مذہب کے سوا اس جگہ کے باشندوں میں اور کوئی یکسانی نہیں پائی جاتی۔ اس علاقے میں کم از کم پانچ زبانیں بولی جاتی ہیں اور از روئے تاریخ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کسی زمانے بھی ایک وحدت کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ اقوام جو اِس وفاق میں شامل ہونگی مثلاً سکھ اور مسلمان، پٹھان اور پنجابی، بلوچی اور سندھی برطانوی حکومت سے پہلے اِس علاقے میں کبھی بھی ایک حکومت کے ماتحت نہیں آئے تھے۔ ان میں سے بعض ایک دوسرے کے خلاف ماضیٔ قریب کی ایسی تلخ یادگاریں رکھتے ہیں جن کی نظیر ملک کے کسی اور حصے

میں شاید نہ مل سکے۔ اگر سکھ اور مسلمان سترھویں، اٹھارویں اور انیسویں صدی کے اُن تلخ تجربات کو بھول سکتے ہیں جو اِن دونوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں سے اٹھانا پڑے تھے تو کیا یہ کہنا معقول بات نہ ہوگی کہ ہندو اُس ماضی کو بھول گئے ہیں جو صدیوں زیادہ پُرانی ہے؟ یہ وفاق کسی صورت میں بھی متجانس نہیں ہو سکتا۔ اور اگر پنجاب کے مشرقی علاقوں کو جہاں ہندؤں کی اکثریت ہے نکال بھی دیا جائے تب بھی ہندؤں اور سکھوں کی طاقتور اقلیت جو چودہ فیصد پر مشتمل ہوگی اُس وقت تک مناقشت اور پریشانی کا باعث بنی رہے گی جب تک کہ اس ساری تجویز کے بنیادی اصول کہ دو مغائیر الاجزاء قومیں صلح اور آشتی سے پہلو بہ پہلو نہیں رہ سکتیں کو مانتے ہوئے یہ قیاس نہ کر لیا جائے کہ ان میں سے ایک پارٹی دوسری کو ہمیشہ کے لئے کچل دینے میں کامیاب ہو جائے گی۔

اگر شمال مغربی علاقہ مصنف کے حصول مقصد کے لئے ایک غیر یقینی ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے تو ہندو علاقے کے وفاق کا خیال اِس سے کہیں زیادہ مضحکہ خیز ہے۔ یہ کم از کم چھ علاقوں پر مشتمل ہے جو ایک دوسرے سے بھی دوسرے وفاقی علاقوں کی وجہ سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ یہ ہمالیہ سے لیکر کیمرون تک اور ہندوستان کے شمال مشرقی سرے سے

جس کی حدود چین سے جا ملتی ہیں لیکر بحیرہ عرب تک پھیلا ہُوا ہے۔ ایک حصے کو دوسرے حصے سے منضبط کرنے کے متعدد آڑے ترچھے خطوط کھینچنا پڑیں گے۔ متعدد ٹکڑے قدرتی حدبندیوں سے علیحدہ کرکے مصنوعی طور پر اُن ٹکڑوں کے ساتھ ملا دیئے گئے ہیں جو کافی دوری پر واقع ہیں۔ اِس علاقے میں سندھی، بلوچی اور پشتو کے سوا تمام وہ زبانیں سننے میں آئیں گی جو سارے ہندوستان میں بولی جاتی ہیں، کیونکہ اِن میں تمام زبانیں بولنے والے علاقوں کا ایک ایک ٹکڑہ شامل ہے۔ اِسی طرح اِس علاقے میں ہندوستان کے تمام مذاہب نظر آئیں گے صرف اعداد وشمار اور آبادی کے تناسب کا فرق ہوگا۔ اس میں برطانوی ہندوستان کا کچھ حصہ اور ہندوستانی ریاستوں کا کچھ حصہ بھی شامل ہوگا۔ اِس علیحدہ وفاق کے قایم کرنے میں کسی منطق یا کسی بنیادی اُصول کا خیال نہیں رکھا گیا۔ اگر یہ علاقہ دو کروڑ مسلم آبادی کے باوجود ایک علیحدہ وفاق بنایا جا سکتا ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ سارے ہندوستان کو ایک واحد وفاق نہ بنا لیا جائے۔

اگر راجپوتانہ اور متوسط ہندوستانی ریاستوں کو ایک وفاق کی صورت دی جاتی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ریاست بستور کو جو زبان کے لحاظ سے چھتیس گڑھ اور اڑیسہ کی ریاستوں سے متعلق ہے کاٹ کر

حیدر آباد فیڈریشن کے ساتھ چپکا دیئے گئے۔ اسی طرح ریاست ٹراونکور اور کوچین کو جو کم و بیش میسور کے ساتھ متعلق ہیں ہندو فیڈریشن کے ساتھ منسلک کرنا بھی قطعی بے معنی ہے۔ ریاست حیدر آباد کے باشندے تین زبانیں یعنی مرہٹی تیلنگو اور کناری بولتے ہیں ہندوستانی یا اُردو جو اس کے حکمران کی زبان ہے وہ علیحدہ ہے۔ اس طرح میسور کوچین اور ٹراونکور کی ریاستوں کو اس وفاق میں شامل کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس وفاق میں ایک اور زبان کا اضافہ ہو جائے گا یعنی ملاباری زبان کا جو کوچین اور ٹراونکور کے باشندوں کی زبان ہے میسور کی زبان کناری ہے۔

غرض کسی نکتۂ نظر سے دیکھا جائے۔ خواہ نسلی خصوصیات، زبان، تاریخی تعلقات یہاں تک کہ مذہبی اور تمدنی اثرات کے اعتبار سے بھی۔ اُن متعدد مجوزہ وفاقوں کی کوئی منطقیانہ بنیاد نظر نہیں آتی جو پنجابی نے اپنی کتاب کانفیڈریسی آف انڈیا میں پیش کئے ہیں۔ تقسیم ہند کی تجویز ہندو مسلم سوال کو حل نہیں کر سکتی کیونکہ شمال مغربی اور شمال مشرقی علاقوں میں ہندوؤں اور سکھوں کی کثیر آبادی اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں مسلمانوں کی کافی تعداد موجود ہے۔ یہ تجویز ہندو اور مسلم قوموں کے علاوہ تمام دوسری

قوموں کو نظر انداز کر دیتی ہے اس لئے سکھ اور عیسائی (جن کی تعداد
کافی ہے) اِس طرح نظر انداز کئے جانے کو پسندیدگی کی نظروں سے نہ
دیکھیں گے۔ اس کا منتہائے نظر ملک کو تقسیم کرنا اور ایک اسلامی انقلاب
پیدا کرنا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پنجاب اور بنگال کے مسلمان سارے
ملک پر ایک اسلامی حکومت قایم کر لیں۔ لیکن ملک اِسے قبول نہیں
کرے گا۔ اور یہ سوال بھی بحث طلب ہے کہ آیا دوسرے حصوں میں
بسنے والے مسلمان بھی اِس قسم کی حکومت پسند کریں گے یا نہیں۔
گذشتہ تاریخ سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے بھی کسی واحد بادشاہ یا
شہنشاہ کی حکومت کو خندہ پیشانی سے قبول نہیں کیا اور یہ کسی طرح
بھی نہیں مانا جا سکتا کہ دوسرے علاقوں کے مسلمان اگر وہ اپنے علاقے
میں ایک دوسرے کے ساتھ متحد الخیال ہو بھی گئے تب بھی شمال
مغربی علاقہ کی حکومت برداشت کر سکیں گے۔ دوسری قومیں یقینی
طور پر کسی ایک قوم کی حکومت کو ناپسند کریں گی خواہ وہ ہندو ہو،
مسلمان ہو یا کوئی اور قوم ہو۔ اِس سے ملک کے لئے کوئی اُمید نہیں
اگر اُمید ہے تو صرف اِسی میں کہ ہم کوئی ایسا حل تلاش کریں جس کی
بنیادیں باہمی سمجھوتا صلح اور آشتی، برداشت اور درگذر اور باہمی محبت
و یکجہتی کی سنگین اور اٹل بنیادوں پر قایم کی جائیں۔

باب ۳

علیگڈھ اسکیم

اب میں پروفیسر سید ظفر الحسن اور پروفیسر محمدؐ افضل حسین قادری
اساتذۂ علیگڈھ کی تجاویز پر غور کرنا چاہتا ہوں ۔ وہ اصول جن پر یہ
تجویز قایم کی گئی ہے مصنفین کے قول کے مطابق حسب ذیل ہیں ۔

(۱) ہندوستانی مسلمان بذات خود ایک علیحدہ قوم کی حیثیت رکھتے
ہیں۔ ان میں نمایاں طور پر ایک منفرد قومی وحدت پائی جاتی ہے جو
ہندؤں اور دیگر غیر اسلامی فرقوں سے بالکلیہ مختلف ہے حقیقت یہ
ہے کہ جو اختلاف سوڈیٹن جرمنوں اور چیکوں کے مابین موجود ہے اُس
سے کہیں زیادہ ہندؤں اور مسلمان کے درمیان فرق ہے ۔

(۲) ہندوستانی مسلمانوں کا قومی مستقبل بالکل علیحدہ ہے اور دُنیا
کی بہتری میں ان کو ایک الگ فریضہ انجام دینا ہے ۔

(۳) ہندوستانی مسلمانوں کا مستقبل اُسی صورت میں بن سکتا ہے
جب وہ کلیتہً ہندؤں، انگریزوں اور تمام دوسرے غیر اسلامی اثرات

کے اقتدار سے آزاد ہو جائیں۔

(۴) وہ صوبے جن میں مسلمان اکثریت رکھتے ہیں، ایک ایسے کل ہند وفاق کے غلام نہیں بنائے جا سکتے جس کے مرکز میں ہندوؤں کی زبردست اکثریت ہو۔ اور

(۵) اُن صوبوں کے مسلمان جہاں اِن کی آبادی کم ہے۔ مذہبی، ثقافتی اور سیاسی انفرادیت سے بالکل محروم نہیں کیئے جا سکتے اور انہیں اُن صوبوں کی طرف سے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو پوری اور موثر مدد ملنی چاہیئے۔

تجویز یہ پیش کی گئی ہے کہ ہندوستان کو متعدد خود مختار اور مطلق العنان ریاستوں میں حسب ذیل طریقے سے تقسیم کر لیا جائے۔

(۱) پاکستان جس میں پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ، بلوچستان۔ ریاست ہائے کشمیر، منڈی، چمبہ، سکیت، سمین، کپور تھلہ، مالیر کوٹلہ چترال، دیر، قلات، لوہارو، بیلاسپور، کوہسار شملہ کی ریاستیں۔ بہاول پور وغیرہ شریک ہوں۔

آبادی:- ۴۴۲۴۷۰۹۲۰۳۰۔

مسلمان:- ۵۳۸۰۹۷۰۳۶۰۲ یعنی ۶۰.۶۳ فیصد۔

(ب) بنگال (بامستثنائے اضلاع ہوڑہ اور مدنا پور) صوبہ بہار

کا ضلع پورنیہ اور آسام کا ضلع سلہٹ ۔

آبادی :۔ ۲۳۲ و ۹۷ و ۲۵ و ۵ ۔

مسلمان :۔ ۴۸۱ و ۸۱ و ۱۰ و ۳ یعنی ۶ء ۵۷ فیصد ۔

(ج) ہندوستان ا پاکستان، بنگال و دولت آصفیہ حیدرآباد کے سوا بقیہ سارا ہندوستان اس میں شامل ہے ۔

آبادی :۔ ۰۰۰ و ۶۰۰ و ۲۱ ۔

مسلمان :۔ ۰۰۰ و ۶۰۰ و ۹۰ و ۲ یعنی ۷ء ۹ فیصد ۔

(س) حیدرآباد :۔ اس میں حیدرآباد، برار اور علاقہ کرناٹک (مدراس اور اڑیسہ) شریک ہونگے ۔

آبادی :۔ ۰۹۸ و ۶۵ و ۹۰ و ۲ ۔

مسلمان :۔ ۰۱۰ و ۴۴ و ۱۲ یعنی ۴ء ۷ فیصد ۔

(د) دہلی :۔ اس میں صوبہ دہلی، قسمت میرٹھ اور قسمت روہیلکھنڈ اور ضلع علیگڈھ شامل ہے ۔

آبادی :۔ ۰۰۰ و ۶۰۰ و ۲۶ و ۱ ۔

مسلمان :۔ ۰۰۰ و ۲۰ و ۳۵ یعنی ۰ء ۸۲ فیصد ۔

(۲) صوبجات مالابار جس میں مالابار اور ملحقہ حصے یعنی مالابار اور جنوبی کنارا شامل ہونگے ۔

آبادی :- ۴۹،۰۰۰،۰۰۰ -

مسلمان :- ۴،۴۰،۰۰۰ یعنی ۰۶ ۷ ۲ فیصد -

اِس کے علاوہ ہندوستان کے وہ تمام شہر جن کی آبادی ۵۰،۰۰۰ یا اِس سے زیادہ نفوس پر مشتمل ہوگی "آزاد شہر" سمجھے جائیں گے اور انہیں داخلی خود مختاری زیادہ سے زیادہ دی جائے گی۔ ایسے شہروں میں مسلم آبادی ۶۹۸،۸۰۸،۳۱ ہوگی۔ ہندوستان کے دیہاتی حصوں میں مسلمانوں کی بکھری ہوئی آبادی کو ہدایت کی جائے گی کہ وہ اِن علاقوں میں نظر انداز کی جانے والی اقلیت کی صورت میں نہ رہیں بلکہ ایسے بڑے قصبوں میں جمع ہو جائیں جہاں مسلمانوں کی بڑی آبادی موجود ہو۔ پاکستان، بنگال اور ہندوستان کی مندرجہ بالا تینوں ریاستیں مندرجہ ذیل اصول کے مطابق آپس میں امن و جنگ کے متعلق معاہدہ کریں گے

(۱) باہمی رواداری اور تعامل

(۲) پاکستان اور بنگال مسلمان کے لئے اور ہندوستان ہندو کے لئے قومی وطن کی حیثیت رکھیں گے۔ ہندوستان کے مسلمانوں اور پاکستان اور بنگال کے ہندوؤں کو اگر وہ چاہیں اور جب چاہیں اپنے اپنے قومی وطنوں کی طرف ہجرت کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

(۳) ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کو ایک اقلیت قوم اور

پاکستان اور بنگال میں بسنے والی بڑی قوم کا جزء سمجھا جائیگا۔

(۴) ہندوستان کی مسلم اقلیت اور پاکستان اور بنگال کی غیر مسلم اقلیت کو (۱) آبادی کے تناسب سے رائے دہندگی اور (۲) جداگانہ انتخاب اور موثر تحفظات جن کی تصدیق تینوں ریاستیں کریں گی کا حق دیا جائیگا۔ رائے دہندگی کا جداگانہ حق ہر اہم اقلیت مثلاً سکھ اور اچھوت ہندو وغیرہ کو دیا جائے گا۔

(۵) ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کا ایک سیاسی ادارہ ہی باضابطہ طور پر ان کا نمائندہ ادارہ تسلیم کیا جائے گا۔

پاکستان، ہندوستان اور بنگال کی ہر سہ حکومتیں انفرادی اور پر حکومت برطانیہ سے معاہدہ کریں گی اور ان تینوں کے شاہی سفیر بھی الگ ہوئے تو الگ الگ ہونگے۔ ان تینوں کی ایک مشترک عدالت ان امور کے فیصلے کے لئے قایم کی جائے گی جو ان تینوں حکومتوں کے مابین یا ان کے اور برطانیہ کے مابین پیدا ہونگے

حیدر آباد ایک آزاد بادشاہی کی حیثیت رکھتا ہے حکومت برطانیہ بھی اسے ایک دوست ریاست سمجھتی ہے اور حقیقت یہی ہے کہ معاہدات کی رو سے یہ ایک آزاد بادشاہی ہے۔ برار اور کرناٹک انتظام کے لئے برطانیہ نے اس سے لے لئے تھے اس یہ

صوبے واپس کر دیئے جائیں۔ اِن واپس شدہ صوبوں کے ساتھ حیدر آباد کو قطعی طور پر کم از کم اس قدر آزاد بادشاہت تسلیم کر لیا جائے جتنا کہ نیپال کو کیا جاتا ہے۔ کرناٹک کی واپسی سے اِسے ایک بحری بندر گاہ مِل جائے گی اور یہ حصہ قدرتی طور پر اسلامی ہند کا جنوبی بازو بن جائے گا۔ اِس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ جب اِسی علاقے کی آبادی میں اکثریت ہندوؤں کی ہے اور مسلمان آبادی محض ۷ء۴ فیصد ہے تو پھر اِسے اسلامی علاقہ کیوں تصور کیا جاتا ہے۔

مختصراً یہ تجویز کانفیڈریسی آف انڈیا کی تجویز ہے۔ یہ 'پنجابی' کی تجویز سے الگ الگ ہندو اور مسلمان حکومتوں کے رقبوں کی تفصیلات کے معاملے میں مختلف ہے اور ایک اہم سوال پر بھی اختلاف کرتی ہے یعنی جہاں پنجابی کی تجویز حیدر آباد کو بھی دوسری ہندوستانی ریاستوں جیسا ہی سمجھتی ہے اور اس کے ساتھ وہی برتاؤ کرتی ہے وہاں یہ تجویز اُسے آزاد بادشاہت تصور کرتی ہے۔ اِس لئے اس تجویز پر بھی وہی اعتراضات کیئے جاتے ہیں جو پنجابی کی تجویز پر ہوئے ہیں۔ بعض صورتوں میں تو یہ اعتراضات اس سے کہیں زیادہ شدید ہو جاتے ہیں۔ اِس تجویز کی رو سے پاکستان میں غیر مسلم اقلیت کی کثیر تعداد چھوڑ دی گئی ہے اور بہار، قسمت بردوان اور پریزیڈنسی

قسمت کے کچھ ایسے اضلاع بنگال میں شامل کر لئے گئے ہیں جن میں غیر مسلموں کی ایک اہم اکثریت موجود ہے اس پر مزید اعتراض یہ عاید کیا جا سکتا ہے کہ یہ سارے ہندوستان میں الگ الگ خود مختار "آزاد شہر" بنا کر مسئلۂ تقسیم کو اور زیادہ مہلک بنا دیتی ہے۔ کیونکہ فاضل مصنفین نے ہندو اور مسلمانوں کو چیکوں اور سوڈیٹن جرمنوں سے تشبیہ دی ہے اس لئے ان "آزاد شہروں" کو ڈانزگ سے مشابہ سمجھا جا سکتا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ یہی اُمید کی جا سکتی ہے کہ اس تجویز سے تاریخ کا اعادہ کرنا اور ہندوستان کو ہندوستانی چیکوں یعنی ہندوؤں کے ہندوستانی سوڈیٹن پر تشدد کو علت بنا کر چیکوں کو فتح کرنے کی لڑائی میں جھونکنا اور ہندوستان کے ان "آزاد شہروں" ڈانزگس۔ کو آزاد کرانا مقصود نہیں ہے۔ فاضل مصنفین ہندو اور اسلامی حکومتوں کے درمیان باہمی رواداری اور تضامن قایم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن جب وہ ان دونوں حکومتوں کے امن و جنگ کے معاہدات کی تعریف کرتے ہیں تو اس امر کا مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کو ایک اقلیت قوم اور ایک بڑی قوم کا جزء سمجھا جائے (جو پاکستان اور بنگال میں آباد ہے) لیکن پاکستان اور بنگال میں بسنے والی ہندو اقلیت کو ہندوستان میں بسنے والی

ایک قوم کا جز سمجھنے کا سوال نہیں اٹھایا جاتا۔ پھر یہ مطالبہ بھی کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کا ایک مسلم سیاسی ادارہ باضابطہ طور پر اِن کا نمائندہ ادارہ تسلیم کیا جائے لیکن پاکستان اور بنگال کی ہندو اور دوسری اقلیتوں کو ایک ایسا مسلمہ سیاسی ادارہ قایم کرنے کا حق نہیں دیا جاتا جو قطعی طور پر اِن کا واحد نمائندہ ادارہ بن سکے۔

مسٹر لطیف کی تجویز

ڈاکٹر اے۔ لطیف کی تجویز جو اِن کی کتاب "مسلم پرابلم ان انڈیا" میں پیش کی گئی ہے "پنجابی" اور علیگڑھ کے اساتذہ کی تجاویز کے برخلاف "تقسیم کی تجویز نہیں ہے جس میں لاتعداد پیچیدگیاں ہیں" بلکہ یہ دعوےٰ کیا گیا ہے کہ یہ تجویز ہندوستان کو قدرتی خطوط کے مطابق متحد کرنے کے لئے ہے اور اس لئے اپنے نظریئے کے اعتبار سے سرتاپا ہندوستانی ہے (صفحہ ۲۸) اِس سے ہندوستان کی بالحاظ تمدن متجانس ریاستوں کا وفاق اور ہندوستان کو کم از کم کینیڈا کی قسم کی واحد قومیت میں بدلنا مقصود ہے جہاں دو مختلف نسلیں اپنے الگ الگ منطقوں میں رہتے ہوئے ایک ہی ملک کی بہتری کے لئے جدوجہد کر رہی ہوں (صفحہ ۲۹) یہ تجویز ہے متحد کرنے کے لئے نہ کہ منتشر کرنے کے لئے اِس تجویز کی رو سے ہندوستان کے مسلمانوں کو چار ہم جنس تہذیبی منطقوں میں اور ہندوؤں کو

کم از کم گیارہ ہم جنس تہذیبی منطقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ دیسی ریاستوں کو بھی جو سارے ملک میں منتشر ہیں۔ اِن کے طبعی رجحانات کے مطابق مختلف منطقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایسا ہر منطقہ ایک متجانس حکومت کی صورت اختیار کرے گا جس میں ایک اعلیٰ قسم کی خود مختار حکومت ہوگی ہر منطقے کو دوسرے آزاد منطقوں کے ساتھ ایک کل ہندی وفاق میں موزوں جگہ حاصل رہے گی" (صفحہ ۱۲)

(۱) شمال مغربی حلقہ میں سندھ، بلوچستان، پنجاب، صوبہ سرحد اور خیرپور اور بہاولپور کی دیسی ریاستیں شامل ہیں۔ اِن چھ وحدتوں کو وفاقی رشتے سے باہمدگر منسلک کر کے ایک واحد خود مختار حکومت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

(۲) شمال مشرقی حلقہ جس میں مشرقی بنگال اور آسام شامل ہے

(۳) دہلی اور لکھنؤ کا حلقہ جو پٹیالے کی سرحد سے شروع ہو کر رامپور بشمول آگرہ، دہلی، کانپور کو اپنے حلقے میں لیتا ہوا لکھنؤ تک چلا جاتا ہے۔

(۴) حلقۂ دکن جس میں حیدر آباد، برار واپس کیے ہوئے جنوبی علاقوں کا کچھ حصہ شامل ہے اضلاع کرنول، کداپیا، چتوڑ، شمالی ارکاٹ اور چنگیل پور میں سے گذرتا ہوا سیدھا مدراس شہر

تک پہنچا ہے ۔ اس طرح سمندر کی طرف کھلا ہوا بحری خط پیدا ہو جائیگا ۔

(۱) بنگال کا وہ حصہ جو بڑھ کر بہار میں داخل ہوگیا ہے اور جو بنگال سے تعلق رکھتا ہے ۔

(۲) اڑیسہ جس میں تمام اوڑیسا بولنے والے لوگ شامل ہیں ۔

(۳) لکھنؤ اور دہلی کے حلقے سے لیکر بہار تک اور ہمالہ سے بندھیاچل تک کا حلقہ جس میں وسطِ ہند کا کچھ حصہ بھی شامل ہے ۔ یہ حقیقی ہندوستان ہوگا ۔

(۴) راجپوتانہ کی راجپوت ریاستیں ۔

(۵) گجرات بشمول کاٹھیاواڑ ۔ (۶) مرہٹہ (۷) کنڑی ۔

(۸) ٹامل (۹) ___[1] ؟ (۱۰) ملیالی ۔

(۱۱) ہندو اور سکھوں کا مشترکہ حلقہ جس میں شمال مغربی علاقے کا کشمیر بھی شامل ہوگا ۔

اِس تجویز کے مطابق وہ ہندو اور مسلمان جو مسلمان یا ہندو

---

[1] اصل کتاب میں شاید مطبع کی غلطی سے نمبر ۹ کی جگہ خالی رہ گئی ہے ۔ یہاں اندھرا ہونا چاہیئے یہ بھی ڈراوڑی تہذیبوں میں سے ایک ہے ۔ (مترجم)

منطقے کے باشندے ہیں۔ قریب تر ہندو اور مسلمان منطقوں میں منتقل کر دیئے جائیں اور اس طرح مکمل طور پر متجانس منطقے بنائے جائیں۔ ہری جنوں کو آزادی دے دینی چاہیئے کہ وہ ہندو اور مسلمان منطقوں میں سے کسی ایک کو پسند کر کے ہمیشہ کے لئے اپنا قومی ملک بنالیں۔ یہ نقل مکانی اور آبادی کا تبادلہ آہستہ آہستہ چند سال کے عرصے میں ہونا چاہیئے۔

اصولِ نظام میں حسب ذیل دفعات ہونی چاہیئیں۔

قانونِ عمومی برائے اقوام ہند:۔ (۱) افراد جو متعدد اقوام میں سے کسی ایک قوم کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں کسی خاص مقصد کے لئے اُس منطقے میں رہ سکتے ہیں جو ثقافتی اعتبار سے اِن کا نہ ہو۔ انہیں تحفظات اور شہری حقوق دیئے جائیں گے۔

مذہبی معابد:۔ (۲) مذہبی معبد، مقبرے، اور قبرستان وقف کو دیئے جائیں گے اور اِن کی حفاظت وفاقی حکومت کے سپرد ہو گی جو مرکزی حکومت کی زیر ہدایت کام کرے گی۔

عیسائی، بودھی، پارسی وغیرہ:۔ (۳) ہر ریاست کو چھوٹی چھوٹی قوموں کے لئے وہ تمام مذہبی اور ثقافتی تحفظات وقف کر دینے چاہیں جو اِن کی قومی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہوں اور

اگر یہ قومیں اضلاعی زندگی کا مطالبہ کریں تو انہیں یہ حقوق بھی دے دینے چاہئیں
ہر بجین (۳۴) انہیں اپنی مرضی کے مطابق اپنے لئے ہندو یا اسلامی
منطقے منتخب کرنے کی پوری آزادی دے دینی چاہیئے جنہیں یہ ہمیشہ
کے لئے اپنا قومی وطن بنالیں اور انہیں شہریت کے تمام حقوق ملنے چاہئیں
مصنف نے ایک ایسی کانسٹیٹوشن تیار کی ہے جو ۱۹۳۵ء کے
ایکٹ کی جگہ لے سکتی ہے۔ اولاً ہر صوبے کی وفاقی وحدت کو زیادہ
سے زیادہ خود مختارانہ آزادی دی گئی ہے اور دیسی ریاستوں اور ان
کے حکمرانوں کے حقوق کو وفاقی رعیت کی فہرست کم سے کم کر دینے
سے محفوظ کیا گیا ہے۔

اس سے اُن وفاقی وحدتوں کو جو آپس میں مشترکہ تعلقات رکھتی
ہوں منطقوں میں ملحق کرنا مقصود ہے تا کہ ثقافتی اور اقتصادی
سوال کے متعلق جو ان میں مشترکہ طور پر اہم ہے، ایک مشترکہ منہاج
بن سکے اور اس طرح انفرادی وحدتیں اس منہاج کی روشنی میں
نظم ونسق پیدا کر سکیں۔

ثانیاً یہ ہر صوبجاتی وحدت اور مرکز کو انگریزی مفہوم کی پارلیمانہ
عاملانہ (EXECUTIVE) کے برعکس ایک ایسی ٹھوس اور
متعین عاملانہ قوت تفویض کرتی ہے جس کے ساتھ ایک مشترکہ

منہاج کی قوت بھی ہو گی۔

ثالثاً یہ ایک ایسی تنظیم کی دعوت دیتی ہے جس سے مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو ثقافتی اور اقتصادی تحفظات دی جا سکتی ہیں اس تجویز کی رو سے مختلف وحدتوں کو کل ہندی وفاق کی صورت میں متحد کیا جائیگا اور ہر وحدت کو زیادہ سے زیادہ خود مختاری دی جائے گی سوائے اُن معاملات کے جو قطعی طور پر سب میں مشترک ہیں۔ مثلاً دفاعی تدابیر، خارجی تعلقات، تجارت، اسبابِ نقل و حرکت وغیرہ بقیہ ساری طاقتیں وحدتوں کو تفویض کی جائیں گی۔

کیونکہ ہندوستان میں متعدد تمدن پائے جاتے ہیں اور ہر تمدن کو اپنے مخصوص خطوطِ عمل کے مطابق نشوونما حاصل کرنا ہے اسلئے مرکز کی طرف سے ایسے قوانین نافذ نہ ہونے چاہئیں جو کسی خاص ثقافتی مسئلے سے متعلق ہوں۔ ہر تمدن کو پورا احساس ہونا چاہیئے کہ وہ محفوظ ہے تاکہ وہ وفاق کی مطمئن اور فرخندہ وحدت بن سکے۔

وفاقی وحدتوں کی مکمل خود مختارانہ آزادی اور متصل فہرست کے اخراج کی وجہ سے اِن منطقوں میں کسی ہم رتبہ قوت کی ضرورت محسوس ہو گی منطقی بورڈ اِسی لئے تجویز کئے گئے ہیں تاکہ اِن تمام اجزاء میں مشترکہ ضروریات کے متعلق مشترکہ پالیسیاں

مترتب کی جائیں اور دوسری وفاقی وحدتوں کو خواہ وہ دیسی ریاستوں کی وحدتیں ہوں یا صوبائی وحدتیں، اِن مشترکہ پالیسیوں کی روشنی میں اپنے قوانین بنانے کی آزادی حاصل ہو۔ ایسے بورڈوں کی تشکیل اِن وحدتوں میں اور چھوٹی وحدتیں بنا کر معملہ اور مقنّنہ کی پیچیدگیوں میں اور اضافہ کرنے کی زحمت سے بچائے رکھے گی۔

اکثریت رکھنے والے فرقے کے ممکن استبداد سے محفوظ کرنے کے لئے ایک ایسی مستحکم گول ملی جلی مجلس معملہ بنانے کی تجویز کی گئی ہے جس کے ممبر ہر فرقے اور ہر گروہ سے تعلق رکھتے ہوں اور ہر فرقے اور ہر گروہ سے لئے جائیں۔ اس کی پالیسی مختلف نظریات میں اشتراک پیدا کرنے یا انہیں ایک جگہ مرکوز کر دینے کی کوشش کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہونی چاہئے۔ ایسی پالیسی کا لایحۂ عمل مختلف فرقوں کی سیاسی انجمنوں کے نمائندوں کی جماعت ہی کل ہند اصول کے مطابق مرتب کر سکے گی۔

یہ معملہ ایتلافی حکومت (
قایم نہیں کرے گی جو ہمیشہ عارضی ہُوا کرتی ہے بلکہ ایک ایسی مخلوط مستحکم حکومت کی بنیاد رکھے گی جیسی امریکہ میں ہے۔ اصولِ بحث کے طور پر یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ وزیر اعظم ساری مقنّنہ کی

طرف سے چنا جائے اور وہ اُس وقت تک اپنے عہدے پر قابض رہے جب تک یہ مقنّنہ موجود رہے ۔ اُسے یہ اجازت ہونی چاہئے کہ وہ معمّلہ کو چلانے کے لئے اپنے مشیر اُسی تناسب سے چنے جن کی تعداد متعلقہ فرقوں کے باہمی عہد سے کل ہند، اصول پر مقرر کی جائے ۔ ایسی معمّلہ جس کی تشکیل وزیر اعظم نے کی ہو مقنّنہ کے کسی مخالف ووٹ کی وجہ سے مسترد نہیں کی جا سکے گی ۔

کانسٹیٹیوشن میں مسلمانوں کے لئے مندرجہ ذیل تحفظات شامل کی جائیں گی ۔

(الف) (۱) مقنّنہ میں حق نمائندگی :۔ جداگانہ انتخابات اور مختلف صوبوں میں مسلمانوں کا موجودہ تناسب قایم رکھا جائیگا ۔

(۲) دیسی ریاستیں مرکزی مقنّنہ میں مسلمانوں کا ایک معقول حصہ دیں گی ۔ مرکز میں نشستوں کا کم از کم تیسرا حصہ اِن کے لئے وقف ہوگا ۔

(۳) مسلمانوں کو منطقوں یا علاقوں کے بورڈوں میں نمائندوں کی کافی اور موثر تعداد بھیجنے کا حق حاصل ہوگا اور یہ تعداد اِن کی اُس مجموعی تعداد کے مطابق ہوگی جو منطقے بنانے والی وحدتوں میں ہو ۔

(ب) قانون سازی :۔ تمام وہ معاملات جو اِن کے مذہب انفرادی

قوانین اور تمدن سے متعلق ہونگے متعلقہ مقننہ کے مسلم اراکین کے ماتحت ہونگے جن کی ایک خاص کمیٹی مقرر کی جائے گی یہ کمیٹی مسلمانوں کے اُن نمائندوں سے جو تعداد میں ایک بٹہ تین سے زیادہ نہ ہونگے اور جو فقہ اور مذہب میں کامل دسترس رکھتے ہونگے اشتراک کرے گی اس کمیٹی کا فیصلہ مقننہ کو قبول کرنا پڑے گا۔ اگر یہ فیصلہ دوسرے فرقوں پر اثر انداز ہو تو مقننہ کو حق حاصل ہوگا کہ اس پر مجموعی طور پر نظرثانی کرے لیکن اس کے بنیادی اصولوں کو بدلنے کا استحقاق کسی صورت میں حاصل نہ ہوگا۔

(ج) معمّلہ (   ):۔ ایک مستحکم معمّلہ کا قیام ہونا چاہئے جس میں ہندو اور مسلمان نمائندے شامل ہوں اور ایک ایسی مشترکہ پالیسی پر عمل کیا جائے جو دونوں کے لئے قابل قبول ہو جس کو مقننہ بھی اخارج نہ کر سکے۔ ریاست متحدہ امریکہ کی طرح معمّلہ مقننہ سے خود مختار ہو۔ اور وزیر اعظم لوگوں کی بجائے امریکہ کی طرح مقننہ کی طرف سے منتخب کیا جائے۔ قانون نظم و نسق اور تعلیم کے لئے ایک وزیر اور ایک مددگار وزیر مقرر کیا جانا چاہئے ان دونوں میں سے ایک کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

(د) پبلک سروس کمشن:۔ جہاں مسلمانوں کی اقلیت ہو وہاں

قوانین اور تمدن سے متعلق ہونگے ۔ متعلقہ مقننہ کے مسلم اراکین کے ماتحت ہونگے جن کی ایک خاص کمیٹی مقرر کی جائے گی یہ کمیٹی مسلمانوں کے اُن نمائندوں سے جو تعداد میں ایک بٹہ تین سے زیادہ نہ ہونگے اور جو فقہ اور مذہب میں کامل دسترس رکھتے ہونگے ، اشتراک کرے گی اس کمیٹی کا فیصلہ مقننہ کو قبول کرنا پڑے گا ۔ اگر یہ فیصلہ دوسرے فرقوں پر اثر انداز ہو تو مقننہ کو حق حاصل ہوگا کہ اس پر مجموعی طور پر نظرثانی کرے لیکن اس کے بنیادی اصولوں کو بدلنے کا استحقاق کسی صورت میں حاصل نہ ہوگا ۔

(ج) معمّلہ (   ) :۔ ایک مستحکم معمّلہ کا قیام ہونا چاہیئے جس میں ہندو اور مسلمان نمائندے شامل ہوں اور ایک ایسی مشترکہ پالیسی پر عمل کیا جائے جو دونوں کے لئے قابلِ قبول ہو جس کو مقننہ بھی اخارج نہ کرسکے ۔ ریاست متحدہ امریکہ کی طرح معمّلہ مقننہ سے خود مختار ہو ۔ اور وزیر اعظم لوگوں کی بجائے امریکہ کی طرح مقننہ کی طرف سے منتخب کیا جائے ۔ قانون نظم و نسق اور تعلیم کے لئے ایک وزیر اور ایک مددگار وزیر مقرر کیا جانا چاہیئے ان دونوں میں سے ایک کا مسلمان ہونا ضروری ہے ۔

(د) پبلک سروس کمشن :۔ جہاں مسلمانوں کی اقلیت ہو وہاں

کمشن کے ممبروں میں سے کم از کم ایک کا مسلمان ہونا ضروری ہے
(ذ) جوڈیشری :۔ مسلمانوں کے انفرادی قوانین کو رائج کرنے کے لئے مسلمان جج ہونے چاہئیں۔

(ن) تعلیم اور اقتصادی ترقی کا مسلم بورڈ :۔ مسلمانوں کی ثقافتی زندگی کے تعلیمی، فنی اور صنعتی پہلو کے تحفظ اور اس کی ترقی کے لئے یہ بورڈ قایم کیا جائے جو اِن کی اقتصادی اور ثقافتی ترقی کے لئے لایحۂ عمل مرتب کرے۔

(ی) خاص محصولات :۔ اگر کسی خاص مقصد کے لئے مسلمان اپنے مخصوص حلقے پر محصول عاید کرنا چاہیں تو اِن کے لئے ایسے قوانین کر دیئے جائیں۔

تبادلے کے زمانے میں ہجرت اختیاری ہونی چاہئے۔ اس کے لئے ہر علاقے کے لئے قانون نافذ کر دینا چاہئے اور ایک رایل کمشن مقرر کی جانی چاہئے جو آبادی کے تبدریج تبادلے کے لئے ایک منہاج مرتب کرے۔

اِس تجویز میں دو بڑی اہم خامیاں موجود ہیں۔ اِس کی رو سے آبادی کا تبادلہ بڑے وسیع پیمانے پر ہوگا۔ بعض اوقات بہت زیادہ فاصلہ طے کرنا پڑے گا۔ اور یہ تبادلہ صرف برطانوی ہندستان

ہی کے صوبوں تک محدود نہ ہوگا بلکہ بعض دیسی ریاستوں کی رعایا کو دوسرے صوبوں میں آنا ہوگا اور ان صوبوں کے لوگوں کو ریاستوں میں جانا پڑے گا۔ خواہ یہ ہجرت کئی سالوں میں مکمل ہو لیکن اُن تکالیف سے قطع نظر جو اس تبادلے کے وقت لوگوں کو اٹھانا پڑیں گی۔ وہ بے شمار خرچ جو اس میں ہو جاتا ہے اس تجویز کو ناقابلِ عمل قرار دیتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ تبادلۂ آبادی اولاً اختیاری ہوگا لیکن بعد میں بجبر کیا جائے گا۔ اگر یہ اختیاری ہے تو مسلمانوں یا ہندوؤں میں سے بہت تھوڑے لوگ اس پر تیار ہونگے۔ اور اس کی وجہ جنم بھومی کے ساتھ وہ فطری مناسبت ہے جو ان دونوں قوموں میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے۔ اور اگر یہ ضروری قرار دیا گیا تو جن تکالیف اور مصایب کا یہ پیش خیمہ ثابت ہوگی یقیناً ناقابلِ برداشت ہونگے۔ اور بقول "پنجابی" یا کم از کم کل آبادی کے تیسرے حصے پر اثر انداز ہوگی۔

ثانیاً یہ تجویز دیسی ریاستوں کو کم و بیش موجودہ صورت میں برقرار رکھنا چاہتی ہے اور ساتھ ہی برطانوی حکومت کے زیر اثر وفاق قایم کرنا چاہتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ فاضل مصنف نے رعایا اور راعی کے تعلقات کے سوال کو مجموعی طور پر لوگوں

کے لئے چھوڑ دیا ہو۔ خواہ یہ لوگ دیسی ریاستوں کی رعایا ہوں یا برطانوی حکومت کے ماتحت ہوں۔ لیکن ایسی کانسٹیٹیوشن کی تشکیل کرتے وقت کلیتہً فرقہ دارانہ پہلو پر نظریں نہیں جمائی جاسکتیں۔

لبرلنر کے سوا جو صوبائی حکومت ہی کو آزادی کا بدل سمجھتے ہیں ہندوستان کی تمام سیاسی انجمنیں مکمل آزادی کی خواہاں ہیں۔ اسی طرح ریاستوں کی موجودہ مطلق العنان شہنشاہت قایم نہیں رکھی جاسکتی اور کیونکہ تمام طاقتیں نمائندوں کی انجمنوں کی طرف منتقل کردی جائیں گی اس لئے ریاستوں کے تاجداروں کو زیادہ سے زیادہ انگلستان کی طرح محدود اختیارات کی شہنشاہت دی جاسکتی ہے۔

ہندوؤں کے نکتۂ نظر سے ریاست حیدرآباد کو اتنا وسیع علاقہ بلاوجہ دے دینا قطعی قابلِ اعتراض ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی سمجھی جاسکتی ہے کہ اس طرح ریاست حیدرآباد کو سمندر کی طرف کھلا راستہ مل جائے اور ہندوؤں کو مدراس کی بندرگاہ سے محروم کردیا جائے۔ اسی طرح کلکتہ کے نواح اور خود کلکتہ کا علاقہ جس میں ہندو آبادی کثرت سے ہے بلاوجہ اسلامی علاقے میں شامل کی جارہی ہے۔ دہلی اور لکھنؤ کے صوبوں کا دفاق بھی قطعی بلاوجہ ہورہا ہے۔ کیونکہ ان دونوں صوبوں میں کسی طرح

بھی مسلمانوں کی اکثریت نہیں ہے ۔ جب تک آبادی کا تبادلہ مکمل نہ ہو جائیگا اُس وقت تک یہ مشکل جو آج کل دونوں قوموں کو پیش ہے حل نہ ہو سکے گی ۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی وہ باہمی مناقشت جس پر اِس تجویز کی بنیادیں استوار کی گئی ہیں حقیقتاً لاینحل تکالیف کی ضامن ہے ۔ اِس میں آئندہ مزید پیچیدگی پیدا نہ ہو گی اور اس کا کوئی نہ کوئی حل مل ہی نہ سکے گا ؟ ۔

دوسرے زاویۂ نگاہ سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر تبادلۂ آبادی کو خارج کر دیا جائے تو یہ تجویز صوبوں کو تقسیم کر دینے کے سوا اور کچھ نہیں ہے ۔ مسلم حقوق کے تحفظ کے لئے جو تجاویز پیش کی گئی ہیں ان پر بالتفصیل غور کیا جا سکتا ہے ۔ اور ممکن ہے کہ اِس بارے میں کوئی متفقہ فیصلہ ہو جائے اِسی طرح سارے ہندوستان کا اتحاد قایم کرنے اور اس کی حفاظت کرنے کے لئے صوبجات کو مکمل خود مختارانہ آزادی دے دینے کا سوال بھی قابلِ غور ہے ۔

سر سکندر کی تجویز

چوتھی تجویز سر سکندر حیات خان کی طرف سے ایک چھوٹے سے پمفلٹ کی صورت میں پیش کی گئی ہے اِس کا نام "آوٹ لاین آف اے اسکیم آف انڈین فیڈریشن" ہے۔ اِس تجویز کے ذریعے سے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں جو نا قابلِ قبول ہے چند ترمیمیں کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ یہ تجویز وفاق کو مستحسن بلکہ حقیقتاً ناگزیر قرار دیتی ہے اور اس کا منتہائے نظر کم سے کم عرصے میں سارے نظام حکومت کو قبضے میں لے لینا ہے۔ لیکن اِس کے پہلو بہ پہلو برطانیہ عظمےٰ کے ساتھ تعلقات کا انقطاع بھی ضروری قرار نہیں دیتی چند ایسی ترامیم پیش کی گئی ہیں جو مسلمانوں اور دیسی حکمرانوں کے دل سے تمام شکوک واوہام نکال دیں اور سب معاملات ایسے طریقے سے سلجھ جائیں کہ سب اپنے مقصد کو پہنچ جائیں اور کوئی بھی پیچھے نہ رہے۔ برطانوی ہندوستان کے مختلف صوبوں اور دیسی ریاستوں

کو دو علیحدہ علیحدہ اجتماعوں کی حیثیت سے ایک وفاق میں منسلک کرنے کی بجائے اِس تجویز کی رو سے سارے ملک کو متجانس الاجزاء علاقوں میں تقسیم کر کے انہیں یکجا کیا جائے ہر علاقہ اُس صوبے یا دیسی ریاست پر مشتمل ہوگا جو اِس میں آجائیگی۔

علاقوں کی رو سے ایک کل ہند وفاق مرتب کرنے کے لئے ملک کو سات مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جائیگا۔

پہلا منطقہ:۔ آسام، بنگال (جن میں سے ایک یا دو مغربی صوبے نکال دیئے جائیں گے تاکہ اس منطقے کا رقبہ دوسرے منطقوں سے یکساں ہو جائے) ریاستہائے بنگال اور سکیم۔

دوسرا منطقہ:۔ بہار اور اڑلیسہ (جس میں بنگال سے علیحدہ کیا ہوا علاقہ شامل کر لیا جائیگا)

تیسرا منطقہ:۔ صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ اور اس کی ریاستیں

چوتھا منطقہ:۔ مدراس، ٹراونکور، مدراس کی ریاستیں اور کورگ۔

پانچواں منطقہ:۔ بمبئی، حیدر آباد، مغربی ریاستیں، بمبئی کی ریاستیں، میسور اور وسطِ ہند کی ریاستیں۔

چھٹا منطقہ:۔ راجپوتانہ کی ریاستیں (جن میں بیکانیر اور جیسلمیر کی ریاستیں شامل نہیں ہیں) گوالیار، وسطِ ہند کی ریاستیں

بہار اور اڑیسہ کی ریاستیں۔ وسطِ ہند اور برار۔

ساتواں منطقہ:۔ پنجاب، سندھ، شمال مشرقی سرحدی صوبہ کشمیر اور جیسلمیر۔

منطقوں کا مجوزہ الحاق محض تجربی ہی ہے اور اس میں رد و بدل کیا جا سکتا ہے۔ اس میں ایک علاقہ وار مقننہ ( ) ہو جو برطانوی صوبوں اور دیسی ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو یہ نمائندے ۳۷۵ ممبروں کی سنیٹرل فیڈرل لیجسلیٹو اسمبلی بنائیں۔ اِن ممبروں میں سے ۲۵۰ برطانوی ہندوستان کے نمائندے ہونے چاہئیں اور ۱۲۵ دیسی ریاستوں کے مسلمانوں کو مجموعی تعداد کا تیسرا حصہ ملنا چاہئے اور دوسری اقلیتوں کو ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے مطابق تناسب ملنا چاہئے۔ علاقہ وار مقننہ ( ) صرف اُن معاملات سے تعلق رکھے گی جو علاقے کی فہرست میں شامل ہونگے۔ لیکن منطقے کے اندر نظم و نسق کو ہموار رکھنے اور اس کی دشواریوں کو کم سے کم کرنے کے لئے اُس علاقے کی دو یا دو سے زیادہ وحدتوں کے کہنے پر ایسے قوانین بنا سکتی ہے۔ جن کا اثر صوبائی فہرست پر بھی ہو۔ چھوٹی وحدتوں کو مزید تحفظات

دینے کے لئے علاقہ وار مقننہ دو بٹہ تین اکثریت کے بغیر کوئی قانون مرتب نہیں کر سکتی۔ علاقہ وار مقننہ وفاقی مقننہ کو یہ اختیار دے سکتی ہے کہ وہ ایسے قانون بنا لے جن کا اثر اُن معاملات پر ہو جو علاقے یا صوبے کی فہرست سے متعلق ہیں لیکن ایسے اختیارات اس وقت تک موثر نہیں ہو سکتے جب تک سات میں سے چار منطقے اس کی استدعا نہ کریں اور جب تک سات منطقے اس پر دستخط نہ کریں اس وقت تک یہ قانون اُن منطقوں ہی میں رائج ہو سکتا ہے جو اِس کے لئے مستدعی ہوئے ہوں۔ اور اُسی وقت واپس لے لیا جائے جب دو منطقے اس کی واپسی کا مطالبہ کریں

وفاقی معملہ وائسرائے اور وزرا کی کونسل پر مشتمل ہوگی۔ وزرا کی تعداد وزیر اعظم کی شمولیت کے ساتھ سات سے کم اور گیارہ سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ وزیر اعظم کا انتخاب خود وائسرائے مقننہ میں سے کرے گا اور دوسرے وزرا کا انتخاب بھی مقننہ میں سے وائسرائے وزیر اعظم کی مدد سے کرے گا اگر (الف) کیبنیٹ میں ہر منطقے کا کم از کم ایک نمائندہ ہونا لازمی ہے۔ وزرا کی تعداد کا کم از کم تیسرا حصہ مسلمان وزرا ہونگے (س) اگر وزرا کی تعداد نو سے زیادہ نہ ہو تو کم از کم دو اور اگر نو سے زیادہ ہو تو کم از کم تین وزیر ریاستوں

کے نمائیندوں سے منتخب کئے جائیں گے۔ ب اور س خواہ اس پر
احاطیہ کرلیں اور (ی) دوسری اہم اقلیتوں کو معقول نمائیندے
بھیجنے کے قابل بنانے کی پوری کوشش کی جائے گی۔ فیڈرل اسکیم کے
نفاذ کے پہلے پندرہ یا بیس سالوں میں وائسرائے اپنے وزرأ میں
سے دو وزیر مقننہ کے باہر سے بھی منتخب کر سکتا ہے اور حفاظت اور
خارجی تعلقات ان کے سپرد کر سکتا ہے لیکن اس کے بعد تمام وزرأ
مقننہ ہی سے منتخب کئے جائیں گے۔ وزرأ کی معیاد مقننہ جتنی ہی
ہوگی یعنی پانچ سال۔ وہ وزیر جو ایک خاص منطقے کا نمائیندہ ہو۔
اس وقت وزارت سے علیحدہ کر دیا جائیگا جب اس کی اپنی علاقہ
وار مقننہ کے نمائیندوں کی اکثریت اس کے خلاف ہو جائیگی۔
وزیر دفاع اور وزیر خارجیہ کے سوا جو اس اسکیم کے نفاذ کے پہلے
پندرہ یا بیس سالوں میں مقننہ کے باہر سے منتخب کئے جائیں گے باقی
تمام وزیروں کو اس وقت مستعفی ہو جانا چاہیئے جس وقت فیڈرل
لیجسلیچر میں ووٹ آف نان کانفیڈنس پاس ہو جائے۔ علاقہ وار
مقننہ میں نمائیندے بھیجنے کے لئے برطانوی ہند کے نمائیندے
صوبائی مقننہ کی طرف سے منتخب کئے جائیں گے اور جہاں تک دیسی
ریاستوں کا تعلق ہے پہلے دس سالوں میں انہیں کا تین بٹہ چار حصہ

حکمران نامزد کرے گا اور ایک بٹہ چار حصہ خود حکمران اُن ارکان جیوری میں سے منتخب کرے گا جو ریاستی اسمبلی کی طرف سے منتخب کئے جائیں گے۔ اس کے بعد پانچ سالوں کے لئے دو بٹہ تین حصہ حکمران کی طرف سے نامزد کیا جائیگا اور ایک بٹہ تین بدستور بالا ارکان جیوری میں سے لیا جائیگا۔ پندرہ سالوں کے بعد نصف حصہ نامزد کیا جائے گا۔ نصف منتخب اور بیس سالوں کے بعد اور اس سے آگے ایک بٹہ تین حصہ نامزد کیا جائیگا اور باقی کا دو بٹہ تین ارکانِ جیوری میں سے منتخب کیا جائیگا۔

ایک ڈیفنس کمیٹی مرتب کی جائے گی جو دفاعی معاملات پر رائے دے گی اور ایک اسی قسم کی دوسری کمیٹی مقرر کی جائے گی جو امور خارجہ کے متعلق مشورہ دے گی۔

فیڈرل ریلوے اتھارٹی کی تشکیل اس صورت پر کی جائیگی کہ اس میں ہر منطقے کا کم از کم ایک نمائندہ ضرور آجائے۔

(الف) اقلیتوں کے جائز حقوق کی حفاظت (ب) برطانیہ کے خلاف نسلی عناد کو روکنے (س) دیسی ریاستوں کے معاہدات اور ان کے معاہداتی حقوق کو پامالی سے بچانے (ش) برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں کے استحکام اور اِن کی خود مختاری کو وفاقی معملہ یا علاقہ وار

اور صوبائی مقننہ کی دستبرد سے بچانے (ح) ہندوستان کو غیر ملکی حملوں سے بچانے، وحدتوں اور سارے ملک کے امن و امان کو برقرار رکھنے (ج) کسی ایک وحدت یا منطقے کے شہریوں کی تخریبی سازشوں سے بچانے اور (ی) اقلیتوں کے ثقافتی اور مذہبی حقوق کی حفاظت کے لئے موثر تحفظات بنائی جائیں گی۔

ا جنوری ۱۹۳۷ء کی ہندوستانی فوج کی تنظیم میں کوئی ردوبدل نہیں کیا جائیگا۔ کمی کی صورت میں فرقہ دارانہ تناسب قائم رکھا جائیگا لیکن جنگ یا دوسری ضرورتوں کے موقعہ پر اس میں بھی مناسب ترمیم کی جاسکتی ہے۔

مرکز کو صرف وہی معاملات تفویض کئے جائیں گے جو سارے ملک کی بہتری اور مناسب طرزِ حکومت کے لئے ضروری ہونگے مثلاً دفاع (   ) امورِ خارجہ، ترسیل، محاصل، ٹکسال، کرنسی وغیرہ۔ باقیماندہ تمام امور وحدتوں یا منطقوں کی طرف منتقل کئے جائیں گے۔ اِن امور کے متعلق جو خاص طور پر وفاقی فہرست میں شامل نہیں کئے گئے۔ وحدتوں کو ذمہ دار قرار دیا جائیگا۔ اگر کسی امر کے متعلق شک ہو کہ یہ وفاقی علاقہ وار یا صوبائی ہے تو اس کے متعلق وائسرائے کا فیصلہ آخری ہوگا۔

اگر فیڈرل اسمبلی میں مزید نشستوں کی ایک خاص تعداد مقرر کی جائے جو ساتوں منطقوں پر یکساں تقسیم کی جائیں اور جن کی مدد سے اُن مخصوص مفادوں کو جو اپر ہاؤس میں نمائندے بھیجتے ہوں یہاں بھی حق نمائندگی دیا جائے تو فیڈرل لیجسلیچر یک ایوانی ( ) بن جائے گی۔

اقلیتوں کے مفاد کی حفاظت کے لئے ہر صوبے میں ایک معقول اور موثر مشنیری قایم کی جایگی۔

یہ تجویز محض ۱۹۳۵ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں ترمیم کرنے کے لئے پیش کی گئی ہے اور ہندوستان کی آزادی اس کا منتہائے نظر نہیں۔ اِس کی رو سے علاقہ وار مقننہ کی صورت میں ایک اور مقننہ کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ دیسی ریاستوں میں خالصاً جمہوری طرزِ انتخاب کو کسی وقت بھی یہاں تک کہ مستقبل میں بھی رائج نہیں کرنا چاہتی اور فیڈرل اسمبلی میں بھی اور ریجنیل اسمبلی میں بھی دو قسم کے آدمی داخل کرنا چاہتی ہے۔ برطانوی ہندوستان سے آنے والے جن کو عوام نے منتخب کیا ہوا ور دیسی ریاستوں سے آنے والے جن کو حکمرانوں نے نامزد کیا ہوگا اور بڑی ریاستی وحدت کی صورت میں کم از کم ایک ایسا حصہ جو تین بٹہ چار اور

ایک بٹہ تین کے درمیان ہوگا اُن لوگوں پر مشتمل ہوگا جو ارکان جیوری میں سے منتخب کئے گئے ہونگے۔ اس کی روسے فیڈرل کیبنیٹ میں ایسے بیرونی آدمیوں کو داخل کیا گیا ہے جو دفاع اور امور خارجہ جیسے اہم معاملات کے ذمہ دار قرار دیئے جائیں گے۔ علاقہ وار مقننہ کے سامنے وزیروں کو ذمہ دار قرار دے کر انہیں اِس مقننہ کے ووٹ آف نان کانفیڈنس کی صورت میں مستعفی ہو جانے پر مجبور کر کے اور بیرونی وزیروں کو ایسے ووٹ کے باوجود اپنی جگہ پر قایم رہنے کی اجازت دے کر کیبنیٹ کی متحدہ ذمہ داری کو خاک میں مِلا دیا گیا ہے۔ وزرأ کے ساتھ فرقہ وارانہ علاقہ اور ریاستی ضروریات لگا کر وزرأ کے انتخاب پر بڑی سختی عائد کر دی گئی ہے۔ اس طرح قابل اور صحیح معنوں میں کام کے اہل لوگ نہ مِل سکیں گے اور مزید براں علاقہ پرستی کے اختلافات پیدا ہو جائیں گے۔ دوسری تجاویز کے مقابلے میں اِس تجویز کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ دوسری تجویزوں کی طرح ہندوستان کو سیاسی یا ثقافتی اغراض کی بنا پر تقسیم نہیں کرنا چاہتی اور سارے ہندوستان کو ایک ملک تصور کرتی ہے۔

وہ چاروں تجویزیں جو میری نظر سے گذری ہیں مختصراً سطور محولہ بالا میں بیان کر دی گئی ہیں ۔ اِن کا بنیادی قیاس یہی ہے۔ ہندوستان میں ایک قوم نہیں بستی، ہندو اور مسلمانوں کے باہمی فرق اتنے بڑے اور اِن کی درمیانی خلیج اتنی وسیع اور ناقابل عبور ہے کہ اگر اِن دونوں کے درمیان امن و امان قائم رکھنا ہی ہے تو کوئی نہ کوئی خوفناک اقدام کرنا ہی پڑے گا۔ اس کا علاج یہ بتایا گیا ہے کہ تہذیبی منطقے بنائیں جائیں جو بعض کی رو سے الگ الگ اور خود مختار ملک تصور کئے جائیں اور اِن سب کو کانفیڈریسی کے بودے رشتے سے منسلک کر دیا جائے۔ اِن تمام تجاویز میں سے کوئی بھی مستقبل قریب میں ہندوستان کی مکمل آزادی کا خیال نہیں کرتی۔ اِن میں سے بعض تو بڑے کھلے لفظوں میں صرف گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں ترامیم کرنا چاہتی ہیں اور صوبوں اور علاقوں کو فرقہ دارانہ اصول پر

دوبارہ تقسیم کر کے اس ایکٹ کو قابل قبول بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔ دوسری تجویزیں گو خالصاً گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں ترمیمیں نہیں کرتیں اور نہ ہی اِن کا کوئی بدل پیش کرتی ہیں۔ لیکن یہ بھی کسی ایسے ہندوستان کا تصور پیدا نہیں کرتیں جو کم از کم مستقبل قریب ہی میں برطانوی اثر و رسوخ سے الگ ہو کر خاص اپنے خطوطِ عمل کے مطابق جدوجہد کر رہا ہو۔ اِن تجاویز کو یکجا کرنے سے میرا مطلب صرف یہ ہے تاکہ مسلم اقابرین کے خیالات سے مکمل آگاہی مِل جائے اور فرقہ دارانہ سوال اپنی تمام جزیات کے ساتھ سمجھا جا سکے۔ اِس سے یہ دعوےٰ نہیں کہ اِن تجویزوں پر جو تبصرہ کیا گیا ہے مکمل اور قطعی ہے۔ مصنف کو اِس محنت کا اُس وقت پورا انعام مِل جائیگا جس وقت اِس کی یہ کوشش مزید مطالعہ کا شوق پیدا کر دے گی۔

سا ون کی جوانی
بوندوں کی روانی
جوانی کا یہ قصہ
بڑھاپے کی زبانی

ساون کی دو راتیں (۲)

بازار حسن کی ایک نوخیز کلی اور ایک شریف نوجوان کا قصہ غم۔ دو محبت بھرے دلوں کے درمیان شک کی دیوار کس طرح حائل ہوکر انہیں تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ اتنا دردناک ناول آپکی نظروں سے نہ گزرا ہوگا۔ اس سے پہلے آپ نے عشق و محبت کے قصے نوجوانوں کی زبانی سنے ہونگے اب یہی قصہ و بوڑھوں کی زبانی سنئے۔ بڑھاپے کے ساتھ حسن پہلے ہی تباہ ہو جائے محبت کبھی تباہ نہیں ہوتی یہی اس قصے کی روئداد ہے اس کتاب کے مصنف منشی گوہر سیلانی ہیں جنکی تصانیف ہندوستان بھر میں کافی مقبول ہو چکی ہیں۔ قیمت فی جلد مجلد صرف عہ

مزدور کی پُر درد زندگی پر ہندوستان کے مقتدر شعراء کرام کے کلام کا مجموعہ

مزدور کی دُنیا

مرتبہ

سید محمد طفیل احمد بدرؔ امروہوی

مزدور کی تڑپ۔ مزدور کی آہیں۔ مزدور کی فریادیں۔ بیکسوں کی پکار۔ مفلسوں کے آنسو۔ سماج کے مظالم۔ سرمایہ داروں کی سنگدلی۔ فاقہ کش انسانوں کی ہلاکت۔ بچوں کی بھوک۔ غرض مزدور کی دُنیا کے درد انگیز مناظر الفاظ کے مو قلم سے کھینچ کر دکھائے گئے ہیں۔ کتاب کیا ہے عبرتوں کا ایک مرقع ہے۔ اس کا مطالعہ آپ کی دُنیائے جذبات میں انقلاب عظیم پیدا کر دے گا۔ کتاب کا آغاز علامہ اقبال کے کلام سے کیا گیا ہے۔ قیمت فی جلد مجلد صرف ایک روپیہ

منگوانے کا پتہ:۔ کتابستان اُردو لوہاری گیٹ لاہور

ہر علم و فن کی کتابیں ہم سے خریدیں
پاکستان
بابو راجندر پرشاد
قیمت ۶؍
دُکھی دُنیا
راجگوپال آچاریہ
قیمت ۱۲؍
مضامین لق لق
از حاجی لق لق صاحب
قیمت مجلد عہ
مُسافر
از بابو پریم چند صاحب
قیمت مجلد عہ
اُردو
کتابستانِ لاہور
کی
مقبولِ عام مطبوعات
شمع زندگی
از شرت چندر
قیمت مجلد
کی تصویریں
صاحب
قیمت مجلد عہ
آپ بیتیا
از تیرتھ رام فیروز
قیمت مجلد
افسانے
ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور
قیمت مجلد ۱۲؍
ساون کی دو راتیں (۲)
از گوہر سیلانی صاحب
قیمت مجلد عہ
وادیٔ پُرخار
مترجمہ یزدانی جالندھری
قیمت مجلد عہ
گورا
از ڈاکٹر رابندر ناتھ
قیمت عہ
مال
ہندی افسانے
قیمت عہ
فہرست کُتب مُفت طلب فرمائیں